تھا۔ اس دلیل کے تحت کہ اگر وہ ماں سب کے درمیان تقسیم نہیں ہو سکتی ہے کہ انہیں وہ سب کچھ سننے کو نہ ملتا جو وہ ابھی باہر گزرے وقت کا ذکر کرتا رہا ہے۔ انہیں تحت خالہ کے گھر تک رخصت کرنے سب ہی پیچھے آئے تھے۔ ماں اور سب سے پیچھے تھے۔ انہیں اب پیچھے رہنے کی عادت ہی ہو گئی تھی۔ اپنی اصول پرستی کے سبب انہوں نے زندگی بھر دوسروں کے لیے سوچا تھا۔ اب اس اسٹیج تک آ کر یا صورتِ حال کو دیکھ کر انہیں یہ بات شروع ہو جانی چاہیے تھی۔ بظاہر سب لوگوں نے بھی بہت جلدی جلدی بات سے بات جوڑ دی تھی۔ اس لیے جب سب ہی ایک ساتھ بولنے لگے تو انہوں نے قریب کھڑی باندی کو بلایا اور اصلی اثرف کی طرف مڑ گئے۔

"اب آپ کے گھر بار اور بیٹے کی شادی میں کتنے دن کی تاخیر ہے؟ میرے رہتے میں ہی ہو جائے گا یہ کام؟" انہوں نے بظاہر سب سے لیکن دراصل اثرف سے پوچھا تھا۔ وہ ان کے سوال پر چونک سے گئے تھے۔ بعد میں ان کے لیے مسکراہٹ تھی۔ "مدیحہ کی شادی کا بھی انتظام کرنا ہے۔ اس کے لیے بھی کچھ سوچا ہے آپ نے؟"

"ہاں بالکل! میں کر رہا ہوں اثرف بھائی۔ مدیحہ ابھی چھوٹی ہے۔ ابھی تو یہاں ہے ہی۔ کیوں نا ان دونوں کا ساتھ ہی کر دیں اس کے سامنے۔" ایک پھیکا سا تبسم ان کے چہرے پر پھیل گیا۔ "مدیحہ نے ان کے چہرے پر یہ رنگ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہمیشہ ہی ان کے چہرے پر ایک روشنی سی ہوا کرتی تھی۔ صوفے کے احتجاج کی وجہ سے وہ اثرف بھائی کے ساتھ بڑا گرم جوشانہ سلوک کر رہے تھے۔ مدیحہ آج بھی ان کے لیے حیرت کا سبب بنی تھی۔ ان کے اصول کو توڑنے والی۔ صوفے کی کھا جانے والی نگاہوں کی پروا کیے بغیر مدیحہ نے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"ابھی تو بہت کام پڑا ہے۔ ابھی تو ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔" ماں کی شرمیلی مسکراہٹ اور جھینپا جھینپا سا انداز۔ ان کے اطمینان کے لیے کافی تھا۔

"جس دن کہیں گے، اسی دن نکاح ہو جائے گا۔ ضرورت نہیں ہے بارات کی، ولیمے کی۔ کیوں بھائی صاحب؟ آپ کا کیا خیال ہے؟" اثرف بھائی نے ان کی بات کاٹ دی۔ "ہاں بالکل! ہم تو یہی چاہتے ہیں۔ بس ہمارے بچے خوش رہیں۔ ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔" ان کی آواز میں ایک عجیب سا اطمینان تھا۔ ایک ایسا اطمینان جو صرف اپنے بچوں کے لیے ہی ہوتا ہے۔ انہیں اپنے پیچھے سے ان کی آواز آتی سنائی دے رہی تھی۔ انہیں ایک بات کا حل مل گیا تھا اور وہ باقی تھیں کہ صوفے کے سامنے کے اس رویے سے نمٹنا آسان نہیں ہو گا۔ وہ اس کی عادت سے واقف تھیں۔ کہیں کھو گیا تھا۔

"ہم اپنی زندگی کے لیے آگے بڑھنے کی کوشش ضرور کرتے رہتے ہیں مگر جہاں رکھتا ہے، اس وہم میں بھی کوئی کمی نہیں پیچھے نہ رہ جائے۔" مدیحہ نے ساتھ ساتھ چلتے اسد کو مخاطب کیا اور ان کا ہاتھ تھام کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

اسد نے ہاتھ تھامے تھامے مسکرا کر دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ ایک بے حد مسکراہٹ "اب اسے وہاں کے کھانے ہوئے خوابوں کے جاگنے" اپنی آنکھوں پر محسوس کرنے کی عادت ڈالنی ہو گی۔

ہوا میں خنکی کے اس موسم میں مدیحہ چلتے چلتے رک گئی تھی۔ اثرف بھائی اور اکبر مستقل چلتے جا رہے تھے۔ مدیحہ ان کی ذہنی حالت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ ان کی ہر بات کو ان کے ذہنی توازن کے ساتھ جوڑ کر دیکھتی تھی۔

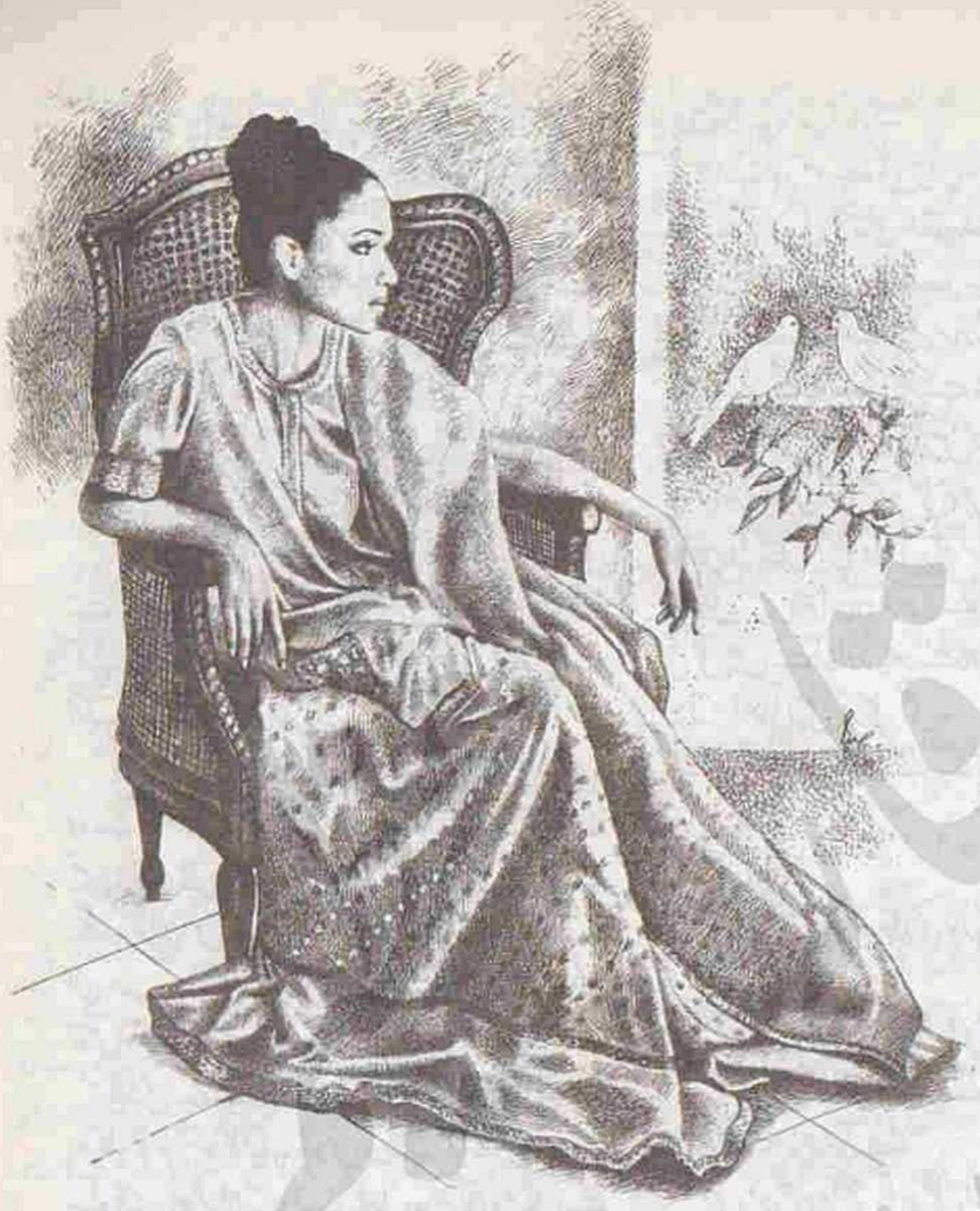

عالیہ بخاری

اے خاصی عنایت

نورو میاں کو روکنے کا اشارا کرتے ہوئے انہوں نے گاڑی کے شیشے سے اس پار کا نظارا کیا۔

نورو میاں کے بیان کے مطابق علاقہ تو وہی تھا مگر لگتا تھا کافی تبدیلی آچکی ہے۔ جب ہی تو وہ پہچاننے میں دقت محسوس کر رہی تھیں۔ چاروں طرف دوکانوں کا ایک سیلاب سا آیا ہوا تھا۔ اور ان کا باہر فٹ پاتھ تک اہتمام سے سجایا ہوا سامان ایک دوسرے پر چڑھا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پھلوں والوں کے ٹھیلے سے لے ہر مال دس روپے والے تک اور چھوٹے چھو چائے خانوں سے لے کر سائیکل اور موٹر سائیکل پنکچر لگانے والوں تک، سبھی کچھ یہاں دستیاب تھا۔

یہ سب کچھ یہاں ہمیشہ سے تھا۔ بہت پہلے جب

ماحول کا حصہ تھیں تب بھی یہاں کی رونقیں تھیں مگر افراد اور سامان کی یہ بہتات۔ بہرحال

ج کر پچیس منٹ ہونے کو آرہے تھے۔ مدیحہ نے ہاتھ میں بندھی گھڑی میں دیکھا۔ اپنے سے تو وہ بہت جلدی نکلی تھیں۔

یہاں کی گہما گہمی اس قدر عروج پر تھی کہ صاف تھا کہ سویرا ہوئے بہت دیر ہو چکی ہے۔ جب ایریا میں ان کی نند کے عالیشان بنگلے میں پہلے دو ماہ سے مقیم تھیں۔ گھر کے آدھے سے افراد اس وقت بھی گہری نیند میں ڈوبے ہوئے

ہوں گے اور اطراف کی سڑکیں جن پر سے وہ ابھی گزر کر آرہی تھیں۔ دل آویز سناٹے کے زیر اثر تھیں۔

ایک شہر اور ایک قوم سے تعلق رکھنے والوں کے کلچر اور قسمتوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

نورو میاں نے کمال مہارت سے ایک جگہ گاڑی پارک کر رہی لی تھی۔ اس دوکان کے سامنے نہ معلوم کس بنا پر سامان پھیلنے سے رہ گیا تھا، دوکان کا مالک اپنی دوکان کے آگے یوں گاڑی اڑا کر کھڑی کرنے پر یقیناً معترض ہوتا اگر اس میں بیٹھی خاتون اسے بہت شاندار اور پروقار محسوس نہ ہوئی ہوتیں، لہٰذا نظر انداز کر کے فی الحال تو مسکرا مسکرا کر اپنے گاہکوں کو نمٹانے میں

مشغول ہو گیا تھا۔ فوری طور پر دو ہی باتوں سے متاثر ہوا جاتا ہے' ایک ظاہری شان و شوکت اور دوسرا ظاہری حسن' وہ بے چارہ بھی اسی کمزوری کا مارا ہوا تھا۔

کچھ نشانیوں اور چند ناموں کو ذہن نشین کر کے نورو میاں منزل مقصود کی تلاش میں گاڑی سے نکلے تو مدیحہ جلال نے ایک بار پھر یاد دہانی کرائی۔

"مشرف مرزا کو پوچھیے گا نورو میاں! ان کی یہاں کتابوں کی دکان تھی چھوٹی سی گڈ لک بک ڈپو۔"

"جی! سمجھ گیا اچھی طرح۔" انہوں نے تابعداری سے سر ہلایا۔ "ان کے بیٹے کا نام اشرف مرزا بتایا تھا نا آپ نے۔" نورو میاں نے تصدیق کی اور بچتے بچاتے ایک طرف کو چل دیے۔

خالو مشرف کی دوکان کا نام انہیں پچیس برس ہونے کو آئے تھے' پھر بھی یاد رہ گیا تھا' جبکہ ان کے تین بیٹوں میں سے صرف اشرف بھائی ہی یاد رہ گئے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ آخری بار جب وہ ان سب سے ملی تھی تو بقیہ دو اتنے چھوٹے تھے کہ قابل توجہ ہی نہیں تھے۔

گاڑی کے شیشے کو انہوں نے تھوڑا سا نیچے کی جانب سرکایا تو خوشبو کا ایک مانوس ریلا اندر آیا۔ انہوں نے بے چین ہو کر اس جانب دیکھا' جدھر نورو میاں گئے تھے مگر اب اس بھیڑ بھاڑ میں نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ انہیں بتانا چاہ رہی تھیں کہ خالو مشرف کا گھر یہیں آس پاس ہی ہونا چاہیے۔

وجود رکھنے والی نشانیوں کا کیا ہے؟ آج ہیں کل نہیں! مگر کچھ چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو بظاہر بالکل بھی اہم نہیں ہوتیں مگر ان کا طاقتور احساس ماحول پر پوری طرح چھایا رہتا ہے۔

یہ خوشبو میں بھی ایسی تھیں!

جن سے وہ اس وقت سے مانوس تھیں جب وہ مدیحہ جلال کے بجائے اسکول کی حد تک مدیحہ احمد اور گھر سہیلیوں اور پاس پڑوس کے لئے صرف مدیحہ تھیں۔ ہلکی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر آئی۔

ایک گہرا سانس کھینچ کر انہوں نے جیسے بہت سی یادوں کو اپنے اندر اتارا۔

گلاب اور موتیے کی لڑیاں سنبھالے بیٹھے دکاندار، گنے کے رس کی مشین کا ٹھیلہ اور اس سے ابھری آواز' رکشاؤں کے سائیلنسر سے خارج ہوتا دھواں اور بھی بہت کچھ! اتنے ڈھیر سارے برس آسٹریلیا میں گزارنے کے باوجود وہ پھر سے بہت محبت کے ساتھ اس آلودہ ماحول کا حصہ بن گئیں۔

نورو میاں کو ابھی کتنی دیر لگنی تھی! انہیں کچھ زیادہ پروا نہیں تھی' وہ اس چھ سات سالہ بچی کو یاد کر چاہ رہی تھیں' جو ان دوکانوں کے پیچھے سے آتی کسی سی گلی میں سے ابا اور چھوٹے بھائی کی معیت میں تیز قدم اٹھاتی چلی آ رہی تھی۔

"ابا! حلوہ پوری والے کے پاس کتنی بڑی کڑا ہوتی ہے۔"

"ہاں بیٹا!"

"ابا! وہ کتنی جلدی جلدی پوریاں ڈالتا ہے نا!"

"ہوں!"

"ابا! آپ بھی اتنی بڑی کڑاہی لے لیں۔"

"اتنی بڑی کڑاہی رکھیں گے کہاں؟ ہمارے گھر میں تو چھوٹا سا چولہا ہے۔"

اس موقع پر دانش کی دخل اندازی لازمی ہو جاتی ان سے سال بھر چھوٹا تھا۔ بات کا رخ بدلنے لگتا۔

بڑے چولہے کی دستیابی سے لے کر گھر میں رکھنے کی جگہ کے انتخاب تک سارے مسئلے کل کرتے کرتے حل کیے جاتے رہے۔ مسکراتے ہو کبھی کبھار کوئی لقمہ دے دیا کرتے ورنہ ان کا وقت آس پاس سے گزرتے لوگوں سے دعا سلام میں گزرتا۔ یہاں تک وہ اسلم چچا کی دوکان تک جاتے۔

"واہ بھئی! آج تو دونوں بہن بھائی گرما گرم لینے آئے ہیں۔" بڑی پرتپاک مسکراہٹ کے استقبال ہوتا۔

دوکان کا مالک ایک جوان سی عمر کا شخص تھا۔ اور اسی مناسبت سے وہ دونوں اسے اسلم

کرتے تھے' پیچھے بے شک وہ اسے حلوہ پوری والے کے نام سے یاد کریں مگر سامنے "اے! او!" کر کے بات کرنے کی اجازت نہیں تھی اور ایک وہی نہیں جن جن سے بھی روز مرہ کی زندگی میں واسطہ پڑتا تھا' ان سبھی کے ساتھ تعلق کی ایک مضبوط ڈور بندھی ہوئی تھی اور اس تعلق کا لحاظ کرنا لازم ہوا کرتا تھا۔

بچپن میں پڑی اس عادت کا شاید اثر تھا کہ وہ نورو میاں کو کبھی بھی "ڈرائیور" کہہ کر مخاطب نہ کرتی تھیں' ہمیشہ تہذیب سے نورو میاں ہی کہا' حالانکہ ان کی نند کے گھر میں جہاں وہ پچھلے اٹھارہ بیس سال سے تو ملازم تھے ہی' بچہ بچہ انہیں ڈرائیور کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔

ان کی نگاہوں نے بے اختیار ہی اس من پسند مگر کھوئی ہوئی دوکان کو تلاش کرنا چاہا تو آس پاس چھوٹے چھوٹے دو ایک ہوٹل ایسے مقام نظر آئے جنہیں تکلفاً "ہوٹل" کہا جا سکتا تھا۔ سامنے چولہوں پر پراٹھے اور چائے پکائی جا رہی تھی اور پیچھے دوکان میں ہرے رنگ کے بینچ اور میزیں ڈال کر بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا اور خلقت اس سے مستفید بھی ہو رہی تھی۔

چاروں جانب لوگ ہی لوگ!

اپنی اپنی خوشیاں اور غم جھیلتے ہوئے زندگی سے نبرد آزما لوگ!

وہ سب انہیں بے حد اپنے اپنے سے لگ رہے تھے۔ دل کی گہرائیوں سے ایک دعا ابھری اور بند لبوں سے ادا ہو گئی۔

ان سب کے لیے خیر و عافیت کی دعا!

قریب سے گزرتی کسی گاڑی کا ہارن زور سے بجا تو وہ چونک گئیں۔ آنکھوں کے کنارے گیلے ہو رہے تھے۔ آمنہ خالہ کے گھر پہنچنے سے پہلے انہیں اس جذباتی کیفیت سے باہر آ جانا چاہیے' یہی سوچ کر انہوں نے اس سارے منظر سے تھوڑی سی لاتعلقی برتتے ہوئے نورو میاں کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا مگر وہ نظر نہیں آ رہے تھے۔ سامنے والی دوکان کا مالک اب ذرا فارغ تھا۔ قریب کھڑے ٹھیلے والے سے بات کرنے کے بہانے وہ دوکان سے باہر آ کھڑا ہوا تھا اور گاہے گاہے ایک نگاہ اس طرف بھی ڈال لیتا تھا۔

"اچھا ہی ہوا! جو وہ لیلیٰ کو اپنے ساتھ نہیں لائیں" مدیحہ کو اپنی اکلوتی بیٹی کا خیال آیا' جو اپنی پھوپھی کے گھر پر ہی رکی ہوئی تھی۔ آج کل پاکستان میں چھٹیاں گزارتے ہوئے اس کی صبح بارہ بجے سے پہلے نہیں ہو رہی تھی۔ پچھلی رات ہی مدیحہ کے ارادے کو جان کر اس نے بہت بے نیازی سے کہا تھا۔

"او نو ممی! میں بھلا آپ کے پرانے رشتہ داروں سے مل کر کیا کروں گی' ایسا کریں کہ آپ تھوڑی دیر کے لئے ہو آئیں' وہ بھی اگر آپ کا بہت دل چاہ رہا ہو تو۔" اس نے ذرا رک کر ماں کا چہرہ غور سے دیکھا' مگر وہاں اس کے انکار پر کسی ناگواری کے آثار نہیں دیکھے۔ "میں پھپھو اور شاء کے ساتھ کچھ اور پروگرام بنا لوں گی۔"

وہ بچپن سے ہی چھٹیوں میں پھوپھو کے گھر آتی تھی۔ اس لیے وہاں اس کا دل خوب لگتا تھا۔ اگر بابر یہاں آیا ہوا ہوتا تو یقیناً بہت خوشی سے ان کے ساتھ چلا آتا۔ بابر ان کے زیادہ قریب تھا بہ نسبت لیلیٰ کے وہ اس بار ان لوگوں کے ساتھ پاکستان نہیں آیا تھا' ذمہ دار اور سنجیدہ لڑکا تھا' اس کی اپنی مصروفیات اب اسے چھٹیاں منانے سے روکے رکھتی تھیں۔

"آجائیے بی بی! میں مکان دیکھ آیا ہوں۔" نورو میاں آ گئے تھے اور اپنی کارگزاری بتاتے ہوئے ان کی آواز میں دبا دبا سا جوش تھا۔ انہوں نے بھی اترنے میں دیر نہیں کی۔ گاڑی میں رکھے چند پیکٹ نورو میاں نے بڑھ کر اٹھا لیے' یہ آمنہ خالہ وغیرہ کے لیے چند تحائف تھے۔ اتنے عرصے بعد جا رہی تھیں تو خالی ہاتھ تو نہیں جا سکتی تھیں آخر!

"آپ نے میرے آنے کی اطلاع دے دی کیا؟"

"جی نہیں! میں تو بس لوگوں سے پوچھتا ہوا ان کا گھر باہر سے دیکھ کر واپس آ گیا۔" نورو میاں انہیں اس رش میں سے گزارتے ہوئے لیے چلے جا رہے تھے۔ دوکانوں کے اوپر بنے ہوئے پرانے مکان' نہ جانے

کتنے عشروں سے اسی حالت میں تھے' ان پر آگے کی سمت بنے ہوئے لکڑی کے جنگلے آگے کو جھکتے جارہے تھے۔

اچانک ہی نورو میاں ایک طرف کو مڑ گئے' انہوں نے بھی تقلید کی۔ پُر پیچ گلیوں کا وہی سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔

باہر کی رونقوں اور ہجوم کی پشت پر بسی ایک اور دنیا' خلوص' اپنائیت اور رواداری کے رشتوں میں بندھی پرانے شہر کی گلیاں' آج بھی انہیں اتنی ہی ٹھنڈی محسوس ہورہی تھیں۔ ان پتلی پتلی گلیوں میں' جہاں مکان اونچے ہوتے چلے جاتے ہیں' ان کا سایہ وہاں گلیوں میں سورج کی تپش کو زیادہ دیر ٹھہرنے نہیں دیتا۔

بدلتے ہوئے زمانے نے کچھ نہ کچھ اثر تو یہاں بھی ڈالا تھا۔ پھر بھی ماحول میں پرانی خوبصورتی جھلکتی تھی چوڑے پتھروں سے تراشی ہوئی دیواریں دہلیز اور لکڑی کے بھاری بھر کم دروازے ابھی بھی سلامت تھے' کہیں کہیں نئی تعمیر کے نمونے بھی نظر آرہے تھے۔ ایک بات' جو مدیحہ نے واضح طور پر محسوس کی' وہ باہر کی جانب کھلنے والی کھڑکی اور دروازوں میں لوہے کی گرل کی موجودگی تھی' جس سے اندازہ ہورہا تھا کہ غیر محفوظ ہونے کا اندیشہ اب یہاں بھی لوگوں کے دلوں میں پلنے لگا ہے۔

نورو میاں بڑی پھرتی سے قدم اٹھا رہے تھے اور ان کے ساتھ وہ بھی۔ اب راستہ ان کی سمجھ میں بھی آتا جارہا تھا۔ آخری موڑ پر وہ بے اختیار ہی نورو میاں سے آگے بڑھ گئی تھیں۔ لکڑی کے اونچے دروازوں والا وہ گھر ان کے سامنے تھا جسے وہ اب بھی اپنے آشیانے والے پر آسائش گھر میں اکثر خوابوں میں دیکھا کرتی تھیں۔

ایک خواب کی سی کیفیت میں وہ آگے بڑھیں۔ زندگی میں ایک بار ہی سہی! اس جگہ آنے کی تمنا ان کے دل میں سانسوں سے پل رہی تھی۔
اور آج وہ حقیقت میں یہاں تھیں۔

دروازے کے آگے کی تین سیڑھیاں طے کرکے رک سی گئیں۔ اس دہلیز کو انہوں نے سینکڑوں بار اکیلے اور بھی امی' ابا اور دانش کے ساتھ پار کیا تھا۔ شاید اس پرانے رشتہ کے ناتے اس مقام تک پہنچ کر انہیں اپنے قدم آگے بڑھانے میں دشواری ہورہی تھی۔ دروازہ بجانے کے بجائے انہوں نے اسے ہلکے سے اپنے ہاتھ سے چھوا۔

دروازے پر براؤن پالش پھیری ہوئی تھی' قریب کھڑے ہونے پر رنگ کی خوشبو محسوس کی جاسکتی تھی۔ مدیحہ کو تھوڑا عجیب سا لگا۔ ان لوگوں کے زمانے میں یہاں پر ہر رنگ ہوا کرتا تھا۔ چمکدار ہرا! ابا تین مہینہ بعد رنگ کا ڈبہ لاکر لکڑی کے اس دروازے پر پھیرا کرتے تھے۔ گھر کے بیرون دروازے کو ہمیشہ صاف ستھرا دکھائی دینا چاہیے۔" انہیں اس بات کا بہت خیال رہتا تھا۔

ذرا سی گردن اوپر اٹھائی تو برابر والے مکان کی اوپری منزل کی وہ کھڑکی اسی طرح کھلی ہوئی تھی جیسے وہ آخری بار دیکھ کر گئی تھیں۔

مدیحہ جلال کا دل زور سے دھڑکا۔

بیچ میں آئے پچیس سال اچانک ہی کہیں کھو گئے' وہ سب جو ایک بھولی بسری یاد میں ڈھل چکا تھا' پھر سے زندہ ہورہا تھا۔ لمحے باتیں کررہے تھے۔

پچھلی خوشیوں اور غموں کی باتیں! وہ باتیں جو وہ مدت ہوئی اپنے آپ سے بھی کرنا چھوڑ چکی تھیں۔

نورو میاں غالباً کھنکارتے تھے انہیں چونکانے کے لیے' خود پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے دستک دے ہی ڈالی۔

چند لمحے گزر گئے' مگر دوسری جانب سے کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہوا' شاید ان کی صدا سنی ہی نہیں گئی تھی اور بہت سال پہلے بھی یہی ہوا تھا' ان کی ہر پکار کے جواب میں یہاں سکوت طاری رہا تھا۔ یکبارگی ان کا دل چاہا کہ وہ واپس پلٹ جائیں۔ آخر اب یہاں ان کے لیے رکھا ہی کیا تھا سوائے زخم ہرے کرنے کے سامان کے۔

"جی جی وہ داہنے ہاتھ پر کال بیل کا بٹن ہے' اسے دبائیے۔" نورو میاں لحاظ کے مارے تین سیڑھی نیچے ہی کھڑے تھے' سو وہیں سے رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔

گومگوں کی سی کیفیت میں انہوں نے کال بیل کی طرف دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے گویا ہار مان لی۔

لاکھوں شکوؤں کے باوجود دل کو جس کی اصول پسندی اور بلند کرداری نے ہمیشہ اپنا اسیر رکھا تھا' اس کا خیال آج بھی اتنا زور آور تھا کہ وہ پلٹنے کی ہمت نہ کرسکیں۔

زندگی میں یہ ایک بار پھر دیکھنے کا موقع بھی کہاں ملنا تھا' اس مرتبہ دیر نہیں ہوئی اور دروازہ کھل گیا۔

"بیٹا! آمنہ خالہ ہیں گھر پر؟" ایک نوعمر سے لڑکے کو سامنے پاکر انہوں نے نرمی سے دریافت کیا۔

"جی ہاں آجایئے۔" وہ کچھ بوکھلا سا گیا۔ مدیحہ جلال کا سراپا متاثر کرتا تھا اور ان لوگوں کے ہاں یقیناً اس قدر بارعب مہمانوں کی آمدورفت کا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔ مدیحہ نے نورو میاں کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود اندر داخل ہوگئیں۔

"دادی! دادی!" پکارتا وہ لڑکا نہ جانے کس کمرے میں غائب ہوگیا تھا انہوں نے صحن میں ہی رکنا مناسب سمجھا' وہ بڑا سارا صحن اب کہیں نہیں تھا۔ جس میں کئی پلنگ گرمی کی راتوں کو بچھا کرتے تھے۔ اب تو ایک ڈیوڑھی سی تھی اور چاروں طرف کمرے مختلف دروازوں اور کھڑکیوں کے پیچھے سے تین چار چہرے ابھرے مگر ان کے لیے وہ سب ناشناسا سا تھے۔

"آیئے اندر آجایئے! اماں اوھر اندر والے کمرے میں ہیں۔" ایک دبلی پتلی سی عورت آگے بڑھی اس کے کپڑے کافی گیلے گیلے سے ہورہے تھے شاید غسل خانہ میں کپڑے دھوتے ہوئے چھوڑ کے آنا پڑا تھا۔ کاسنی رنگ کے سوٹ پر ہرا اور نارنجی پرنٹڈ دوپٹہ ہڑبڑاہٹ میں اوڑھا گیا تھا۔

مدیحہ جواباً ہلکے سے مسکرائیں۔ سچی بات تو یہ کہ آمنہ خالہ کی موجودگی کی اطلاع سے انہیں بڑا اطمینان

موٹاپے سے نجات

کہا جاتا ہے کہ ہر بیماری کی جڑ پیٹ کی خرابی ہے' موٹاپا اور پیٹ کا بڑھ جانا خواتین کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اسی طرح چہرے پر مہاسے' کیل' جھائیاں بھی پیٹ کی خرابی سے ہوتی ہیں۔ خواتین کے ان تمام مسائل کا حل

نایاب جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ

جوہر ہاضم

- موٹاپا ختم
- بڑھا ہوا پیٹ اندر
- داغ دھبے اور کیل مہاسے غائب
- گیس' معدے کی گرانی کا خاتمہ
- قیمت صرف/50 روپے

پتہ ذیل سے منگوائیں۔

شوٹائم۔ 2/A۔ بیت العرفان جگر ریسٹورنٹ کے برابر مین یونیورسٹی روڈ۔ گلشن اقبال۔ کراچی۔

ہوا تھا۔ رات سے بار بار یہی خیال پریشان کر رہا تھا کہ اگر خدانخواستہ وہ بھی ان کے والدین کی طرح دنیا چھوڑ چکی ہوئیں تو نہ معلوم گھر میں کن کن اجنبی صورتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

آمنہ خالہ تک اطلاع پہنچ چکی تھی کہ کوئی بطور خاص ان سے ملنے کے لیے آیا ہے اور یہ بات ان میں خاصا جوش و خروش پیدا کر چکی تھی۔

"ارے ذرا چپل تو نکال پلنگ کے نیچے سے! دیکھوں تو سہی کون آیا ہے۔ کہیں تیری ماں اور چچی دروازے سے ہی نہ چلتا کر دیں۔ میرے ملنے والوں سے تو انہیں خاص چڑ ہے۔"

جس وقت مدیحہ نے ان کے کمرے میں قدم رکھا تو وہ ایک پاؤں میں چپل اڑسے با آواز بلند اپنے خدشات کا اظہار کر رہی تھیں اور وہی لڑکا جس نے دروازہ کھولا تھا، پلنگ کے نیچے سے ان کی دوسری چپل نکالنے کے لیے جھکا ہوا تھا۔

"لے آئی ہوں اماں! آپ ہی کے پاس آپ تو خوامخواہ ہی.....!" ہرے اور نارنجی دوپٹہ والی کے لیے گویا سب سننا معمول کا حصہ تھا مگر پھر بھی اس کے چہرے پر ناگواری کا تاثر ابھر آیا تھا وہ تو یہ کہیے کہ "معزز مہمان" کی موجودگی کا خیال آڑے آگیا تھا۔

آمنہ خالہ کی ساری توجہ اب آنے والی ہستی کی جانب مبذول ہو چکی تھی۔

مدیحہ ایک قدم آگے بڑھیں۔

آمنہ خالہ بہت بدل چکی تھیں۔ گلابی رنگت اور صحت مند سراپے کی جگہ ایک کمزور سا وجود ان کے سامنے تھا۔ زردی مائل چہرے پر وقت اپنے نشان ثبت کر تا گیا تھا البتہ آواز کا کرارا پن وہی تھا۔

"میں ہوں خالہ! مدیحہ" وہ اور نزدیک چلی آئیں۔

"مدیحہ!" انہوں نے بہت غور سے مدیحہ کا چہرہ دیکھا شاید پہچان نہیں پا رہی تھیں، مدیحہ نے محسوس کیا کہ آمنہ خالہ کی بڑی بڑی شفاف آنکھیں اب دھندلی دھندلی لگنے لگی ہیں۔

"نہیں اب کوئی بات ٹھیک سے یاد نہیں رہتی ہے چڑچڑی بھی بہت ہو گئی ہیں۔" اور نج اور ہرے دوپٹہ والی ابھی تک ان کی کہی بات پر کڑھ رہی تھی اس لیے اپنا حساب صاف کرنے کے لیے آواز دبا کر مدیحہ سے کہنے لگی۔

"ہاں! ہاں! دماغ خراب ہو گیا ہے میرا! تم لوگ تو یہی چاہتے ہو نا کہ پاگل خانہ میں داخل کرا کر جان چھڑا لو۔" اس بڑھاپے میں بھی ان کی سماعت قابل رشک تھی۔ وہ اچھی طرح خبر لینے کے موڈ میں تھیں۔ اگر مدیحہ دخل اندازنہ ہوتیں۔

"بھول گئیں آپ! آپ کی پھوپھی زاد بہن سعیدہ کی بیٹی۔" ان کی آواز میں ایسی تڑپ، ایسی بے قراری تھی کہ آمنہ خالہ نے انہیں کھینچ کر گلے سے لگا لیا۔

"ارے میری بچی! میں کیوں بھولنے لگی تم لوگوں نے ہی مجھ بد بخت کو بھلا دیا، ایسے گئے کہ پھر مڑ کر دیکھا ہی نہیں۔" وہ زار و قطار رونے لگیں۔ ان کی آغوش میں ممتا کی گرمی تھی۔ مدیحہ کو بے اختیار امی یاد آگئیں۔

ان کی آنکھیں بھی برس پڑیں۔ زخموں پر جما کھرنڈ اترنے لگا۔

"جانے کے دن تو ہمارے ہیں مگر سارے غم سہنے کو بیٹھے ہیں۔ وہ تو مجھ سے کئی سال چھوٹی تھی، بہت جلدی کی میری بہن نے جانے میں۔"

آمنہ خالہ زار و قطار روئے جا رہی تھیں اور ان کے ساتھ مدیحہ بھی۔ اور اپنا غم مناتے ہوئے انہیں پتا ہی نہیں چل سکا کہ گھر کے چھوٹے بڑے کئی افراد کمرے کے دروازے کے اندر اور باہر جمع ہو چکے ہیں۔

بھولی بسری خالہ سعیدہ کی بیٹی کی آمد کی خبر پورے گھر میں پھیل چکی تھی، رہی سہی کسر ان کا قیمتی لباس اور جیولری پوری کر رہے تھے ایک انتہائی معزز مہمان کو اماں خوامخواہ ہی جذباتی کیے دے رہی تھیں خود انہیں تو بات بے بات آنسو بہانے کی عادت پڑی ہوئی ہے۔

جملہ حاضرین کو مدیحہ جلال کا رونا بے چین کر رہا تھا۔ سعیدہ خالہ کا ذکر ہوتا ہی رہتا تھا کہ کیسے وہ لوگ ان پتلی پتلی گلیوں سے نکل کر شہر کے پوش علاقے میں اور

اس سے بھی آگے بڑھ کر آسٹریلیا میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو چکے تھے یوں بھی اچھی پوزیشن رکھنے والے رشتہ داروں کا ذکر بار بار کیا ہی جاتا ہے، شاید خود کو مورل سپورٹ پہنچانے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے۔

یہ جذباتی سین تو کھنچتا ہی چلا جا رہا تھا، دونوں ہی نہ جانے کیسے کیسے غم کو آنسوؤں میں بہانے کے ارادے سے لیٹی کھڑی تھیں۔

آنکھوں ہی آنکھوں میں مشورے ہوئے اور ایک بار پھر قرعہ فال ہرے نارنجی دوپٹہ والی کے نام ہی نکلا۔ سب کی نگاہوں میں چھپے اصرار کو اس نے بڑے ناز سے قبول کیا۔

"بس کریں اماں! باجی کو اطمینان سے بیٹھنے تو دیں" اب کی بار ذرا بے تکلفی برتتے ہوئے رشتہ جوڑا گیا تھا "آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں۔ باجی! آپ یہاں کرسی پر بیٹھیں نا!"

آمنہ خالہ دوپٹہ کے پلو سے چہرہ صاف کرنے لگیں ایک لڑکی پانی کی ٹھنڈی بوتل اور گلاس لے آئی تھی پانی کے چند گھونٹ حلق سے اترے تو مدیحہ کو سکون آگیا۔

"اب تم لوگ یہاں کیوں کھڑی ہو جاؤ باجی کے لیے کچھ چائے پانی کا انتظام کرو۔"

ہرے نارنجی دوپٹے والی نے اپنے طور پر مدیحہ کو ڈیل کرنے کی ساری ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی اس نے بڑے معتبر انداز میں لڑکیوں کو سرزنش کرنے لگی، "ساری نے کوئی غیر معقول بات تو کی نہیں تھی مگر آمنہ خالہ شاید نقطۂ اعتراض اٹھائے بغیر رہ ہی نہیں سکتی تھیں۔

"یہ مدیحہ کہاں سے تمہاری باجی ہو گئی، کچھ نہیں تو چار ساڑھے چار سال تو تم سے چھوٹی ہی ہے، پھر رشتہ میں بھی چھوٹی، اشرف بڑا بھائی ہوتا ہے اس کا اور تم اس کی بھاوج۔" دونوں لڑکیاں دوپٹہ منہ میں لے کر ہنسنے لگیں۔

"اب مجھے عمروں کا حساب کتاب کیا پتا، میں نے تو ویسے ہی کہہ دیا۔" وہ اپنی جھینپ مٹانے لگی۔ اچھی خاصی کرکری ہو کر رہ گئی تھی۔

"اشرف کی بیوی ہے افروز!" انہوں نے مدیحہ کی جانب رخ کرتے ہوئے تعارف کی رسم نبھائی "وہ جو ایک بھائی سرور ہوا کرتے تھے نواب شاہ میں، ان کی بیٹی ہے، وہ بے چارے وہاں سارے کنبہ برادری سے الگ تھلگ پڑے تھے۔ لڑکیوں کے رشتوں کے لیے پریشان تھے میں نے کہا۔ چلو ایک کو تو میں ہی لے لوں۔"

مدیحہ کی یادداشت میں بھائی سرور کا کہیں اندراج نہیں تھا اور نہ ہی انہیں اشرف بھائی کی شادی کے قصہ میں کوئی دلچسپی تھی مگر پھر بھی اشتیاق کا اظہار کیا۔

بھابھی افروز اچھے خاصے رکھے تکیوں کو پھر سے درست کرنے لگی، آدھی سے زیادہ عمر اس گھر کی نذر کرنے کے بعد بھی اسے اپنے اوپر کیے گئے احسان کا قصہ آئے دن سننا پڑتا تھا۔ مدیحہ کو ایک دم ہی باہر منتظر کھڑے نور و میاں کا خیال آگیا، وہ انہیں سہ پہر تک لینے آنے کا کہنا چاہتی تھیں، مگر آمنہ خالہ نے ایک نہ چلنے دی۔

"اب ہفتہ دس دن سے پہلے تو میں ہرگز بھی نہیں جانے دوں گی، ابھی تو عزیز رشتہ داروں کو بھی خبر کرنی ہے؟ ورنہ بعد میں سارے ہی شکایت کریں گے، ایسا کرو کہ بچی کو بھی یہیں بلوا لو، خیر سے اس کے ساتھ کی کئی لڑکیاں ہیں یہاں، ہنس بول لیں گی خوش رہے گی۔" آمنہ خالہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

مدیحہ کو ان کی سادگی پر ہنسی آگئی، لیلیٰ کے بارے میں ان کا اندازہ کتنا غلط تھا۔ یہ مدیحہ تھیں، جنہوں نے پیدائش کے بعد سے لے کر ساڑھے اکیس سال تک کی عمر اسی گھر اور ان گلیوں میں بتائی تھی، پھر ایک طویل عرصہ یہاں سے دور، بہت دور گزار کر ایک بار پھر وہ بہت خوشی اور اپنائیت سے یہاں دوبارہ چلی آئی تھیں، پر لیلیٰ ان کی بیٹی ہونے کے باوجود ان سے بالکل مختلف تھی، وہ بالکل ہی دوسرے ماحول میں پلی بڑھی تھی، بے حد ذہین اور اسمارٹ، اس کی دلچسپیاں بھی الگ تھیں، یہاں کے سیدھے سادے ماحول میں تو وہ

ذرا دیر میں ہی بور ہو جانے کا اعلان کر دیتی۔

"نہیں خالہ، لیلیٰ وہیں ٹھیک ہے اپنی پھپھو کے گھر، میں پھر کسی وقت آپ سے ملوانے لے آؤں گی۔" مدیحہ نے ان کی تسلی کرانا چاہی حالانکہ جانتی تھیں کہ شاید ہی کبھی وہ لیلیٰ کو وہاں لا سکیں گی۔ آمنہ خالہ تھوڑی بد مزہ تو ہوئیں مگر مدیحہ کے آنے کی خوشی ہر دوسری بات پر حاوی ہوئی جا رہی تھی۔ نورو میاں کو مدیحہ نے یہاں کا فون نمبر دے کر رخصت کیا اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ وہ اپنے پروگرام کا فون پر ہی بتا دیں گی۔

آمنہ خالہ مسلسل بولے جا رہی تھیں، تھوڑی سی ہی دیر میں انہوں نے امی اور ابا کے "پردیس" میں انتقال کر جانے سے لے کر اس کے میاں اور بچوں، دانش کے بیوی بچوں تک ساری تفصیل دریافت کر لی تھی۔ وہ بتاتی رہیں مگر جو وہ سننا چاہتی تھیں، اس کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ معلوم نہیں آمنہ خالہ جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی تھیں۔ یا کیا خبر، وہ اب یہاں رہا ہی نہ ہو، وقت انسان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے، وہ بھی مگر نہیں! مدیحہ کا دل کبھی بھی یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہوتا تھا کہ وہ یہاں سے کہیں اور بھی جا سکتا ہے، عجیب سی بات تھی کہ ایک مدت سے ان کے سارے رابطے ختم ہو چکے تھے مگر اس کے متعلق کم از کم یہ ایک دعوا وہ وثوق سے کر سکتی تھیں۔

"ان پتلی پتلی گلیوں میں رہنا میرے لیے باعث شرم نہیں ہے، یہی میرا اصل ہے اور اسی پر مجھے فخر ہے۔" یہ اور اس سے ملتی جلتی دوسری باتیں وہ اکثر کیا کرتا تھا۔

"اشرف اور اظہر کی بیویاں یہاں میرے پاس رہتی ہیں، سب سے چھوٹا اختر، راولپنڈی میں نوکر ہے۔ وہ اپنی بیوی کو وہیں لے گیا تھا۔" آمنہ خالہ نے مزید معلومات بہم پہنچائیں۔

اب لڑکیوں نے مدیحہ کے سامنے رکھی میز پر لوازمات کی پلیٹیں رکھنی شروع کر دی تھیں، میز بھرتی جا رہی تھی، کیا کچھ نہ تھا۔ مدیحہ کو ان سارے تکلفات سے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

"یہ اشرف کی بیٹی ہے نائلہ اور وہ اس کے پیچھے اظہر کی بیٹی ہے، وہ جس نے دروازہ کھولا تھا، عذرا کا بیٹا ہے، رات کو ماں کے ساتھ آیا تھا، یہیں پر رک گیا۔"

مدیحہ مروتاً "ہوں ہاں" کرتی رہیں، انہیں کون سا یہاں دوبارہ آنا تھا جو نام بہ نام چہرے یاد رکھنے کا تردد کرتیں۔

"عذرا تو یاد ہے تمہیں؟" اب شاید آمنہ خالہ کو مدیحہ کی یادداشت کا امتحان لینے کی سوجھی تھی۔

"السلام علیکم!" ایک خوش پوش سا لڑکا اندر داخل ہوا تھا، بہت مانوس سی شباہت لیے، وہ مدیحہ کی جانب ہی دیکھ رہا تھا اور مدیحہ کچھ مضطرب سی ہو گئی تھیں۔

"وعلیکم السلام! ہاں آ گئیں تمہاری اپنے بھائی کے گھر سے۔" آمنہ خالہ پچھلی بات بھول کر اب اس طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"جی وہ تو رات ہی آ گئی تھیں۔"

"اچھا خیر! اے مدیحہ! یہ ریحان کا لڑکا ہے اور سب سے بڑا یہی ہے پھر چھوٹی تین لڑکیاں ہیں۔۔۔۔" آمنہ خالہ نے جانے مزید کیا کیا بتائے جا رہی تھیں، مگر وہ شاید اب کچھ بھی نہیں سن رہی تھیں۔

واہ ریحان! ریحان احمد!

کتنے سالوں بعد یہ نام ان کے سامنے لیا گیا تھا، اب وہ جن لوگوں کے درمیان رہتی تھیں، ان میں ریحان احمد کا ذکر کرنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔

"ریحان کی شادی تو تب ہی ہو گئی تھی جب تم لوگ پاکستان ہی میں تھے، سعیدہ اور احمد بھائی شریک نہیں ہوئے تھے، بس اب پچھلی باتیں۔۔۔۔" آمنہ خالہ کو بھی کچھ یاد آ کر رہ گیا تھا۔

"جا کر اپنی اماں اور باوا کو بتا دینا کہ مدیحہ پھوپھی آئی ہیں آسٹریلیا سے۔"

"ابو تو دو ڈھائی بجے تک آئیں گے۔" وہ کہتے ہوئے دوسری کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا، وہ ابھی جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس نئی مہمان میں اس کے لیے بھی کافی کشش تھی۔

"کیا خبر باہر جانے کے لیے کوئی کلیو ہاتھ لگ

جائے!" ہزاروں نوجوانوں کی طرح اس کا بھی یہی خواب تھا۔ آمنہ خالہ کو اس کی یہ دخل اندازی اچھی تو نہیں لگی کہ ان کے اپنے قصہ کہانیوں میں فرق آ رہا تھا، مگر کچھ بولیں نہیں۔ اسد میں ریحان کی بہت شباہت تھی، آخری بار جب وہ لوگ ملے تھے تو ریحان بھی تقریباً اسی کی عمر کا رہا ہو گا۔

مدیحہ کو اسد کو دیکھنا، اس سے باتیں کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ خوشی کی ایک لہر بار بار دل میں اٹھ رہی تھی۔ با اصول، خوددار اور پر جوش باپ کا بیٹا، مدیحہ کو اس کے بات کرنے کے انداز میں بھی ریحان کی جھلک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ پچھلے سال یونیورسٹی سے ماسٹرز کر کے فارغ ہو چکا تھا اور بہت ذہانت کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔

"اشرف کی بڑی لڑکی کے ساتھ بات طے ہے اس کی۔ نوکری لگ جائے تو خیر سے شادی بھی ہو جائے گی۔" آمنہ خالہ کافی دیر خاموش رہ لی تھیں۔

"بچپن میں ہی بات طے کر دی تھی دونوں کی۔" خبر اچھی تھی مگر مدیحہ کو کوئی خوشی محسوس نہیں ہوئی "گویا پھر وہی حماقت دہرائی جا رہی ہے۔" انہوں نے آزردگی سے سوچا۔ "انجام کی پروا کیے بغیر، یہاں ابھی تک بہت سادگی کے ساتھ زندگیوں سے کھیلا جا رہا ہے۔"

وہ بھی بہت سال پہلے اسی کھیل کا حصہ تھیں۔

اب وہ، ان کا گھرانہ اس گھر کا رہائشی تھا اور آمنہ خالہ کی فیملی سامنے کے گھر کے ایک چھوٹے سے حصہ میں کرائے دار کی حیثیت سے رہتی تھی۔ اس وقت مدیحہ ریحان احمد سے منسوب تھیں، جو آمنہ خالہ کے سگے بھائی اور مدیحہ کی امی کے سگے ماموں زاد بھائی کے بیٹے تھے۔ ان کے گھر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے اور گھر والوں کے دل اس سے بھی زیادہ۔ وہ سب سے ایک دوسرے کی خوشی میں خوش اور غم پر رنجیدہ ہونے والے لوگ تھے۔

انسانیت کی اسی فضا میں مدیحہ کے ابا اپنی ننھی منی بیٹی کو ریحان احمد کا نام دینے کی دقیانوسی حرکت کر بیٹھے تھے۔ حالانکہ آگے چل کر تو وہ خاصی بڑی سوچ کی حامل شخصیت میں ڈھل گئے تھے۔

"ارے اسد بیٹا بھی آیا ہوا ہے، کہو! خیریت سے تو ہو۔" بھابھی افروز کمرے میں داخل ہوئیں تو ان کی نگاہ سب سے پہلے اس پر ہی پڑی، مدیحہ کو یاد آیا کہ امی بھی اسی تپاک سے اپنے ہونے والے داماد کا خیر مقدم کیا کرتی تھیں، گویا وہ برابر کے گھر کے بجائے کسی دوسرے شہر سے آیا ہو۔

بھابھی افروز اب کپڑے بدل کر اور حلیہ درست کر کے آئی تھیں اور خاصی معقول لگ رہی تھیں، فی الوقت وہ مدیحہ کو بھول کر سامنے میز پر رکھے لوازمات سے اسد کی پلیٹ بھرنے میں مصروف ہو گئیں۔

مدیحہ کو خیال آیا کہ ان کے ساتھ آئے تحائف ابھی تک یونہی پڑے ہیں، وہ بھلا الگ الگ کس کو بانٹتیں، یہی مناسب سمجھا کہ سارے کے سارے آمنہ خالہ کے سپرد کر دیے جائیں، وہ جیسا مناسب سمجھیں کرتی رہیں گی۔

لڑکیاں جو ابھی تک انجان سی بنی کمرے میں آ جا رہی تھیں، کن انکھیوں سے برابر ان پیکٹوں پر نظر رکھے ہوئے تھیں، اب جو وادی کو اس امپورٹڈ مال کی ملکیت عطا ہوئی تو سارا تکلف ایک طرف رکھ کر یہیں ان کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑی ہو گئیں۔

بچوں کے کچھ کھلونے اور چاکلیٹ، ایک دو میک اپ کٹ اور آمنہ خالہ کے لیے ایک سوئیٹر! اس نوعیت کا بہت سا سامان مدیحہ ہر چکر پر اپنے ساتھ لے آیا کرتی تھیں، دینے دلانے میں کام آ جایا کرتا تھا، سو آج بھی کام آ گیا تھا۔ اسد لڑکیوں کی دلچسپی دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اس کی نگاہ بار بار نائلہ کی طرف ہی اٹھ رہی تھی۔ مدیحہ کو اپنے ہی ہینڈ بیگ میں رکھی ریسٹ واچ یاد آئی۔ کسی خیال کے تحت وہ اسے رکھ لائی تھیں۔ اسد اس تحفہ کے لیے سب سے زیادہ موزوں لگا۔ ویسے بھی اسے کچھ نہ کچھ تو دینا ہی تھا۔

"یہ لو اسد بیٹے! یہ تمہارے لیے۔" انہوں نے سوچنے میں زیادہ وقت نہیں لگایا۔

"میں! میرے لیے مگر کیوں آنٹی!"

"بڑوں سے بحث نہیں کرتے' ذرا پہن کر تو دکھاؤ" وہ تھوڑا جھجکا' شرمایا اور پھر پہن لی۔ مدیحہ کو سکون سا ہوا۔ تحفہ اپنے صحیح حقدار تک پہنچ گیا تھا۔ ریحان کو الگ سے کچھ دینے کی تو وہ آج بھی ہمت نہیں کر سکتی تھیں۔

"کتنی اچھی لگ رہی ہے اسد بیٹے کے ہاتھ میں۔" بھابھی افروز کا چہرہ خوشی سے لال ہو رہا تھا' ہونے والے داماد کو اس قدر اہمیت دیے جانے پر وہ مدیحہ کی دل سے مشکور ہو گئیں۔ البتہ آمنہ خالہ نے محض ایک سوچ میں ڈوبی نگاہ ہی مدیحہ پر ڈالی تھی۔ بیگ کھولا تو اس میں پڑے ہوئے فیملی فوٹو گراف مدیحہ کی نظر میں آ گئے۔ وہ انہیں سب کو دکھانے لگیں۔ کمرے میں مزید جوش کا اضافہ ہو گیا۔

"مجھے دکھاؤ' مجھے دو!"

"یہ کون ہے؟"

"کون سی جگہ ہے؟ آپ کا گھر ہے کیا؟" سوال جواب شروع ہو چکے تھے۔

"ہائے اللہ کتنی پیاری ہے! انگریز لگتی ہے۔" ایک کونے سے آواز ابھری۔

یہاں ابھی بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں تھی' جنہیں ہر غیر ملکی انگریز ہی لگتا تھا۔

مدیحہ مسکرانے لگیں۔ یہ خراج تحسین یقیناً "لیلیٰ" کو اس کی بے حد صاف رنگت پر پیش کیا جا رہا تھا۔

اچانک ہی بھائی اشرف اور اظہر آ گئے۔ خالو مشرف کے بعد "گڈ لک بک ڈپو۔" دونوں بھائی مل کر چلا رہے تھے۔ کوئی لڑکا ان تک مدیحہ کی آمد کی اطلاع پہنچا چکا تھا۔ خبر معمولی نہیں تھی۔ دونوں ہی دوکان بند کر کے چلے آئے' ورنہ عام حالت میں تو ہفتہ وار چھٹی کے علاوہ خاص خاص مواقع پر ہی دوکان بند کی جاتی تھی۔

یہ اپنائیت اور گرمجوشی' محبتوں کی فراوانی مدیحہ بہت خوشی خوشی ان لوگوں سے ملنے لگیں۔ اشرف بھائی بہت بدل گئے تھے۔ سر کے سارے بال سفید ہوتے جا رہے تھے۔

لڑکیاں ابھی تک تصویروں میں کھوئی ہوئی تھیں۔

بھابھی افروز کی ایک اچٹتی ہوئی نگاہ اسد کے ہاتھ میں تھامے ہوئے فوٹو گراف پر پڑی' یہ لیلیٰ کی تصویر تھی اور اسد بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اب جا کر باورچی خانہ کی خبر لو' ایسا کون سا شہد لگا ہے تصویروں میں جو ان کے ساتھ ہی چپک گئی ہو۔" وہ ایک دم ہی لڑکیوں پر برسیں' لڑکیوں کو برا لگا' وہ بڑبڑاتی ہوئی آگے پیچھے باہر چلی گئیں۔ بھابھی افروز کا لہجہ مدیحہ کو بھی اچھا نہیں لگا مگر نظر انداز کر گئیں۔ اسد آہستگی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے ہاتھ میں پکڑی فوٹو کو بقیہ تصاویر کے ساتھ ملاتے ہوئے وہ مدیحہ سے مخاطب ہوا۔

"اگر آپ اجازت دیں آنٹی! تو یہ فوٹوز میں امی اور بہنوں کو بھی دکھا لاؤں۔"

"ہاں! ہاں بیٹا ضرور!" مدیحہ خوش دلی سے بولیں' کوئی نامناسب بات بھی نہیں تھی اور انہیں یہ خیال بھی آ رہا تھا کہ کچھ نہ کچھ چیزیں ریحان کی بیٹیوں اور بیوی کے لیے بھی بچا لینی چاہییں تھیں۔ یہ کیا کہ سب کچھ یہیں دے ڈالا۔ رشتہ تو دونوں گھروں سے برابر تھا۔ اسد شکریہ ادا کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ بھابھی افروز کا چہرہ اتر سا گیا تھا اور وہ اب بہت خاموش سی محسوس ہو رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں وہ دونوں بھائی اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ بھی ان کے پیچھے ہی باہر نکل گئیں۔ کمرے میں اب بس مدیحہ اور آمنہ خالہ ہی رہ گئیں۔

"ذرا دیر کو لیٹ جاؤ مدیحہ بیٹی' بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہو گی۔" آمنہ خالہ اصرار کرنے لگیں' وہ واقعی تھک گئی تھیں۔ کرسی سے اٹھ کر پلنگ پر چلی گئیں۔ بڑا سا نواڑی پلنگ بے حد آرام دہ تھا۔ مدیحہ کہنی کے بل تکیہ رکھ کر نیم دراز ہو گئیں' آمنہ خالہ نے اپنے چھالیہ کاٹنی شروع کر دی۔ مدیحہ کی نگاہوں میں اسد کا چہرہ گھومنے لگا' ایک عجیب سا لگاؤ انہیں اس سے محسوس ہو رہا تھا' یہاں موجود اتنے لڑکے لڑکیوں میں سب سے منفرد لگا تھا' اس کا چہرہ' اس کا انداز' چلنا پھرنا باتیں کرنا سب ہی ریحان سے بے حد مشابہت رکھتا

تھا' اسی ریحان سے جیسے وہ اتنی مدت گزار کر بھی نہیں بھول پائی تھیں' اسد اسی کا بیٹا تھا۔

"کس سوچ میں پڑ گئیں؟"

"کچھ بھی نہیں!" مدیحہ ہلکے سے مسکرا دیں۔

آمنہ خالہ نے اپنا ہاتھ ذرا روک کر ان کے چہرے پر کچھ تلاشنے کی کوشش کی پھر ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے بولیں۔

"جو کچھ ہوا' اچھا ہی ہوا' اب دیکھو نا! احمد بھائی کے ایک درست فیصلہ نے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔" مدیحہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں' ایک عرصہ گزر جانے کے بعد کیا اب اس موضوع پر بات کرنے کی کوئی گنجائش باقی رہ گئی تھی۔

"اس وقت تو مجھے بھی بہت برا لگا تھا' آخر ریحان میرے سگے بھائی کا بیٹا ہے اور مجھے اپنی اولاد کی مانند ہی عزیز ہے' مگر سچ پوچھو تو اس کا اور تمہارا جوڑا بنتا ہی نہیں تھا۔" مدیحہ کی آنکھیں ہلکے ہلکے گیلی ہونے لگیں زندگی کی ہماہمی میں جہاں جان ہزاروں جھمیلوں میں الجھی رہتی تھی بارہا ایسے لمحے آئے تھے جب ریحان کے خیال نے بے ساختہ ڈسٹرب کیا تھا۔

"احمد بھائی حقیقت پسند انسان تھے' انہوں نے ہمیشہ آگے کی سوچی یہی وجہ ہے کہ آج ان کے بچے ماشاءاللہ کہاں سے کہاں پہنچے ہوئے ہیں۔" آمنہ خالہ ابا کو خراج تحسین پیش کر رہی تھیں یا انہیں دلاسا دے رہی تھیں' مدیحہ کے لیے فرق کرنا مشکل تھا البتہ اتنا ضرور تھا کہ ان کا بولنا مدیحہ کو اچھا لگ رہا تھا۔ دل کی دکھن تو اپنی جگہ تھی مگر ایک سکون سا بھی دھیرے دھیرے کہیں اندر اپنی جگہ بنا رہا تھا۔ ان بھولی بسری یادوں کو دوہرانے والا کوئی بھی شخص اس تمام عرصہ میں میسر نہیں آیا تھا۔ شاید اسی طرح ان تمام پچھتاووں میں کچھ کمی آجائے جنہوں نے ہمیشہ دامن تھامے رکھا۔

"میں کتنا لڑی تھی سعیدہ سے جب تمہاری اور ریحان کی بات ختم ہوئی تھی' حالانکہ اس غریب کا تو کوئی قصور بھی نہیں تھا' وہ تو۔۔۔"

"دادی! آپ کو ابو بلا رہے ہیں۔" نہ جانے کون سی لڑکی نے دروازہ کھول کر آمنہ خالہ کو مخاطب کیا۔

"مجھے کیوں کیا بات ہے" آمنہ خالہ کو یہ دخل در معقولات اچھی نہیں لگی تھی' اور مدیحہ کو بھی۔

"پتا نہیں' بس کہہ رہے ہیں کہ آکر بات سن لیں۔" جواب تو بے نیازی سے دے دیا گیا مگر مدیحہ سے نگاہ ملتے ہی دانتوں کی نمائش میں گرمجوشی دکھائی گئی۔

یہاں لوگوں کو ابھی بھی بات بے بات میں ہنسنے کی عادت تھی۔

"اچھا آرہی ہوں۔" آمنہ خالہ نے بے زاری سے اسے ٹالا اور خود مدیحہ کی طرف مزید متوجہ ہو گئیں۔

"دیکھ لیجئے گا' یہ سوفیصد اسی ارادے سے آئی ہیں' میرا اندازہ غلط نہیں ہوتا' اتنے سالوں سے تو کبھی خبر نہیں لی۔" اظہر کا لہجہ محسوس بھی تھا اور طنزیہ بھی' وہ کسی بھی بات کا منفی رخ آسانی سے تلاش کر لیا کرتا تھا' اس وقت بھی صبح سے چھائی ہنسی خوشی کی فضا کو ٹینشن میں مبتلا کر چکا تھا۔

"لاکھوں کی جائیداد ہے' ایسے ہی کوئی کب چھوڑتا ہے' اگر ابا جی اسی وقت تھوڑے بہت پیسے دے کر اپنے نام کرا لیتے تو کوئی فکر کی بات تو نہ ہوتی مگر نہیں جی' وہ تو ساری زندگی بس احمد بھائی کے گن ہی گاتے رہے' جو ان پر اتنا بڑا احسان کر گئے تھے کہ اپنے گھر میں انہیں بٹھا گئے۔"

"پر اظہر! ابھی تک تو مدیحہ نے ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا' میرا مطلب ہے کہ۔۔۔"

"دادی کہتی ہیں کہ ابھی آتی ہوں۔" اسی لڑکی نے دروازہ کھول کر اطلاع پہنچائی اور جھپاک سے واپس ہو گئی۔

"کیا پتا ابھی صرف جائزہ لینے آئی ہو' پھر دو چار دن میں بات چھیڑے۔" بھائی اشرف بھی پرانی رشتہ داری تازہ ہونے کے خمار سے باہر نکل آئے تھے اور دل میں پیدا ہوتے وسوسوں کو زبان دینے میں مصروف تھے۔

"بالکل یہی ہو گا۔ مگر میں بتائے دیتا ہوں کہ دینے کی

ضرورت نہیں' ہمارا ابھی لاکھوں روپیہ اس گھر میں خرچ ہو چکا ہے' دو کمرے اور اسٹور تیسری چھت پر بنایا' ایک بڑا کمرہ اور ایک چھوٹا یہاں اس صحن میں' باتھ روم' باورچی خانہ میں الگ کتنا کام کرایا ہے۔" "اور رنگ روغن اور ٹوٹ پھوٹ کو بھی شامل کرو" بھابھی افروز کے دیے گئے لقمے کو ان کے میاں نے تحسین کی نگاہ سے دیکھا اور بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"ٹھیک کہتی ہے تمہاری بھابھی' بس اب ایسا کرو کہ سارا اسٹیمیٹ ایک کاغذ پر لکھ لو' لانا بھئی ذرا ایک کاغذ اور پین۔" انہوں نے اونچی آواز سے پکارا۔

"ذرا ٹھیک ٹھیک حساب لگانا اپنے خرچ کیے ہوئے پیسے کا بھی۔ اچھے بھلے رو رہے تھے۔ معلوم نہیں کہاں سے آگئیں' مجھے تو ہول سا اٹھ رہا ہے۔" بھابھی افروز کا چہرہ سب سے زیادہ اترا ہوا تھا۔ اپنے ہول کی اصل وجہ وہ ابھی چھپائے ہوئے تھیں۔

"ہاں بالکل ایک پیسے کی جگہ چار بتانا' وہ کون سی تحقیقات کرنے گئی' میاں تو اس کا آسٹریلیا میں بیٹھا ہوا ہے۔" بھائی اشرف اب خاصے پرجوش ہو چکے تھے' آج ان کی بیوی خاصی عقل مندی کی باتیں کر رہی تھیں جس کی اصل وجہ ان کی ساس کی عدم موجودگی تھی' آمنہ خالہ کو بہو کی بصیرت پر کچھ ایسا زیادہ بھروسہ نہیں تھا' ان کی بات کو وہ گدھے کی لات سے زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں سمجھتی تھیں۔ کاغذ پنسل ابھی تک دستیاب نہیں ہو سکا تھا' گھر کی کتاب' اسٹیشنری کی دوکان ہونے کے باوجود' یہ دونوں اشیاء ضرورت کے وقت مشکل ہی سے دستیاب ہو پاتی تھیں' بھابھی افروز کسی بچے کے بستہ میں سے نکال لانے کے لیے چل دیں اور دونوں بھائی اس سارے معاملے میں پیش آنے والے ممکنات کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گئے۔

بہت پہلے جب مدیحہ کے والدین یہاں سے منتقل ہوئے تھے تو اپنے اس گھر میں خالو منشرف اور آمنہ خالہ کے گھرانے کو بٹھا گئے تھے۔ وہ لوگ اس وقت سامنے کے دو کمروں والے گھر میں رہتے تھے' مدیحہ کے والد احمد صاحب ایک دردمند انسان تھے مگر ساتھ ہی ترقی کے خواہاں' زندگی پر جمود انہیں بالکل پسند نہیں تھا؟ آگے اور آگے بڑھتے رہنے کی دھن میں انہوں نے کبھی بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

مدیحہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔ آمنہ خالہ ابھی ابھی تیسری دفعہ کے بلاوے میں بیٹوں کی بات سننے گئی تھیں۔

یہ کھڑکی پیچھے کی ایک پتلی سی راہداری میں کھلتی تھی۔ ابی کے زمانے میں یہ جگہ بہت صاف ستھری رہتی تھی۔ انہیں گھر میں کاٹھ کباڑ جمع کرنے سے سخت نفرت تھی۔ مگر اب یہ جگہ فالتو سامان سے اٹی پڑی تھی' گھر میں کبھی ہونے والے لکڑی کے کام کے بعد بچ جانے والی لکڑی کے ٹکڑوں سے لے کر ٹوٹے ہوئے فرنیچر' گتے کے خالی کارٹن سائیکل اور موٹر سائیکل کے ناکارہ ٹائر' بھگی کے خالی ڈبے غرض کہ ہر بے کار شے کی جائے پناہ گھر کا یہی گوشہ تھا۔

مدیحہ نے بائیں جانب گردن موڑ کر ذرا جھک کر دیکھا' ریحان کے گھر کی ایک کھڑکی ان دنوں اسی راہداری میں کھلتی تھی۔

سامان کے ڈھیر کے پیچھے وہ کھڑکی ابھی بھی اسی طرح سلامت تھی مگر اس کے بند کواڑوں پر کسی نے دو چار آڑے ترچھے تختے مزید ٹھونک دیے تھے۔

"گویا تعلقات میں اب پہلے جیسی گرمجوشی موجود نہیں تھی' پھر یہ اسد کا رشتہ؟" مدیحہ نے سوچا' آمنہ خالہ نے بھی ریحان کی بیوی کا ذکر کچھ اچھے الفاظ میں نہیں کیا تھا۔

"ایسے برے دماغ کی عورت ہے' نہ کبھی خود خوش رہی اور نہ اس غریب کو خوش رکھا' بالکل بجھ کر رہ گیا ہے' مرحوم بھائی بھاوج کی ایک نشانی ہے' ہمارا تو دیکھ دیکھ کر دل کڑھتا ہے۔" انہوں نے مدیحہ سے کہا تھا اور یہ بات تب سے ذہن کے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ اس سارے چکر میں اللہ ہی جانے کس کا کتنا نقصان ہوا تھا' خوشی مکمل صورت میں شاید کسی کو بھی نہیں مل پائی تھی۔ انہوں نے ماتھے کو کھڑکی کی گرل سے لگاتے

ہوئے آزردگی سے سوچا۔

سامنے راہداری میں سایہ تھا اور یہ سایہ۔ یہاں ہمیشہ ہی رہتا تھا' اس وقت بھی جب دلوں میں محبت اور پاسداری تھی' تب کھڑکی پر دستک لگا کر بند کرنے کے بجائے اسے ایک دوسرے کے گھر جانے کے لیے شارٹ کٹ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا' گھر کی خواتین کی آسانی کی خاطر یہ کھڑکی سارا دن ہی کھلی رہتی تھی۔ جس دن ان کی ریحان سے باقاعدہ منگنی ہوئی تھی' اس روز تو اس کھڑکی پر ایک رش کا عالم تھا' لڑکیاں پل پل کی خبر لا رہی تھیں۔

"ریحان بھائی کی امی نے تمہارے لیے بہت خوبصورت سوٹ لیا ہے۔ مدیحہ! فیروزی رنگ کا۔" ان کی عزیز سہیلی مینا منگنی میں لایا جانے والا سارا سامان دیکھ کر آئی تھی۔ اس وقت فیروزی رنگ کے سوٹ کا سن کر وہ کتنی خوش ہوئی تھیں۔ فیروزی' گلابی' آسمانی' ان دنوں یہی رنگ ان کے پسندیدہ ہوا کرتے تھے۔ یہ نت نئے ناموں والے رنگوں سے تو وہ بہت بعد میں متعارف ہوئی تھیں۔

"ریحان بھائی تو بہت ہی خوش ہیں' تمہارا پوچھ رہے تھے' میں نے بھی کہہ دیا کہ مدیحہ کون سا آپ سے پردہ کرتی ہے خود جا کر پوچھ لیں۔" اپنی بات کہہ کر وہ دیر تک ہنستی رہی جیسے بہت اچھا مذاق کر کے آئی ہو۔

مدیحہ کے میٹرک پاس کرنے کے بعد یہ منگنی کی رسم کی جا رہی تھی' منسوب تو وہ بچپن ہی سے تھے مگر یہ تقریب ان دونوں کی ماؤں کی آرزو تھی۔

فیروزی جوڑا واقعی بہت خوبصورت تھا' انہوں نے مدتوں اسے سنبھال کر رکھا۔ جلال سے شادی ہو جانے کے کئی سال بعد تک وہ ان کے میکے والے گھر میں ایک بکس میں فالتو کپڑوں کے نیچے دبا پڑا رہا' پھر اچانک ہی غائب ہو گیا تھا' شاید امی نے ضائع کر دیا تھا۔ وہ دل چاہنے کے باوجود بھی پوچھ نہ سکیں۔ منگنی کے بعد وہ دونوں ہی کتنا خوش تھے' ابا نے مدیحہ کا کالج میں ایڈمیشن کرا دیا تھا' وہ ایک دن خاموشی سے اپنی دوستوں کو منگنی کی تصویریں دکھانے کے لیے لائی تھیں۔

"مدیحہ! تمہارا منگیتر تو بہت ہی خوبصورت ہے' تم تو کچھ بھی نہیں ہو اس کے آگے۔" ساری دوستوں نے مدیحہ کی خوش قسمتی پر باجماعت رشک کیا اور وہ دونوں سرشار رہیں۔

ریحان کسی نہ کسی بہانے روز ہی چکر لگایا کرتا تھا' دونوں گھرانوں کی قربت اتنی زیادہ تھی کہ پردہ کا سوال ہی نہیں اٹھا۔ ریحان کی امی گھر کی تنہائی سے اکتا کر زیادہ وقت یہیں کاٹا کرتیں اور ریحان کو مستقل امی سے کوئی نہ کوئی کام پیش رہتا۔

کیا دن ہوا کرتے تھے وہ بھی ان کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ آمنہ خالہ ابھی واپس نہیں آئی تھیں۔ معلوم نہیں وہاں کیا کھچڑی پک رہی تھی؟

مدیحہ کھڑکی سے ہٹ آئیں' گھڑی پر نگاہ ڈالی تو ایک بجنے کو تھا۔ باورچی خانہ سے برتنوں کے کھنکنے کی آواز اور کھانے کی خوشبو دونوں ہی پھیل رہی تھیں۔

وہ دوبارہ پلنگ پر چلی آئیں' تکیوں کے سہارے نیم دراز ہوتے ہوئے انہوں نے سوچا بھی کہ لیلیٰ کو فون کریں مگر ٹیلی فون اس کمرے میں نہیں تھا اور اپنے ساتھ موبائل لانے کی انہوں نے یہاں ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

ابا کو اچانک ہی بڑے ٹھیکے ملنے شروع ہو گئے تھے' وہ کوشش کے بہت قائل تھے اور اپنے کام کو سیدھا کرنے کے لیے ہر ممکن حد تک جانے کو تیار رہتے تھے' سو ترقی کی راہ ان کے لیے کیوں نہ وسیع ہوتی' گھر میں پیسے کی آمد میں تیزی ہوئی تو امی نے بھی مدیحہ کے جہیز کی تیاری میں جوش و خروش دکھانا شروع کر دیا۔ اپنی لائی ہوئی ہر چیز وہ ریحان کی امی کو ضرور دکھاتیں اور پھر بہت سی دعاؤں کے ساتھ وہ بڑے بکس میں منتقل ہو جاتی۔ مدیحہ کے لیے یہ دور بے حد خوشگوار تھا۔ کوئی فکر' کوئی پریشانی' دور سے بھی نہیں گزرتی تھی' شاید اسی لیے وہ بے وقوفی کی حد تک لاپروا رہنے لگی تھیں۔

ریحان کے رویے میں کب تبدیلی آئی' اس کا علم

انہیں سب سے آخر میں اس وقت ہوا جب انہوں نے اتفاقاً "ہی اپنی امی کو ریحان کی والدہ سے کہتے سنا۔

"کیا بات ہے بھابھی؟" ریحان نے ہماری طرف آنا بالکل ہی کم کر دیا ہے' آتا بھی ہے تو بالکل خاموش سا بیٹھا رہتا ہے؟ کہیں کوئی شکایت تو نہیں ہو گئی؟" امی کے لہجہ میں اتنی فکرمندی تھی کہ مدیحہ جو اپنے جہیز کے کشن کاڑھنے کے لیے کشیدہ کاری کی کتاب میں سے ڈیزائن تلاش کرنے میں مصروف تھی' کچھ دیر کے لیے تو سر ہی نہیں اٹھا سکی۔

"اچھا! کیا واقعی کچھ ایسا ہو گیا تھا؟" مدیحہ نے بے حد حیرت سے سوچا' زندگی میں اب تک اتنا توازن اور ترتیب تھی کہ کوئی چیز ادھر ادھر ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھا تھا۔

ریحان کی والدہ اس کی طرف سے صفائی پیش کر رہی تھیں مگر امی کے چہرے پر چھائی پریشانی اس روز مدیحہ نے بار بار محسوس کی تھی۔ وہ شاید کئی دن سے اس الجھن میں مبتلا تھیں۔ اسی رات ریحان وہاں چلا آیا۔ گھر میں اسے یقیناً "تنبیہہ کی گئی تھی۔

"اور سناؤ میاں! آج کل کیا ہو رہا ہے؟" ابا بھی اس وقت گھر پر ہی تھے۔ ریحان کے پاس بتانے کے لیے کیا تھا؟ اس کا یونیورسٹی کا آخری سال تھا اور یہ بات ابا کو اچھی طرح معلوم تھی پھر بھی وہ انہیں بڑے مناسب انداز میں کچھ بتا رہا تھا کہ وہ لاپروائی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔

"یہ خالی خولی ڈگریوں میں کچھ نہیں رکھا ہے' بہت سے بہت ہوا بھی تو یہ کہ چند ہزار کی نوکری مل جائے گی' میری مانو تو کسی کاروبار کی فکر کرو۔" ابا کا یہ جتانے والا انداز مدیحہ کو بہت برا لگا اور ضرور ریحان نے بھی محسوس کیا تھا' کیونکہ اگلے چند پل وہ بالکل خاموش سر جھکائے بیٹھا رہا تھا۔

"اچھا بھئی۔ میں تو چلتا ہوں' صابر صاحب سے ملنا ہے۔" ابا اٹھ کھڑے ہوئے' ریحان نے بھی ان کے ساتھ اٹھ جانا چاہا تو وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"تم بیٹھو ابھی اور میری بات کا برا نہ ماننا' تمہارے بھلے کے لیے ہی کہہ رہا ہوں۔" امی نے بھی رکنے کے لیے اصرار کیا تو وہ بیٹھ گیا۔ ابا چلے گئے تھے' باورچی خانہ میں کام کرتی مدیحہ کی ساری توجہ ادھر ہی تھی' کھڑکی میں سے صحن اور برآمدہ صاف دکھائی دیتا تھا اور اس فاصلہ کے باوجود وہ ریحان پر چھائی بددلی کو بخوبی بھانپ رہی تھی۔ اسے ابا پر غصہ آنے لگا۔

"کیا ضرورت تھی اس وقت یہ بات چھیڑنے کی؟ اتنے دن بعد تو ریحان یہاں آیا تھا۔" ابھی کچھ دن پہلے ابا نے بڑے سائز کا فریج خریدا تھا اور اس میں بہت ساری چیزوں کے ساتھ آئس کریم بھی لا کر رکھ چھوڑی تھی' مدیحہ نے ٹرے میں آئس کریم کپ اور چمچے سلیقہ سے سیٹ کیے اور اسے اٹھائے وہیں چلی آئی' جہاں وہ امی کے ساتھ بیٹھا تھا' اپنی دانست میں وہ ابا کی کہی باتوں کا ازالہ کرنا چاہ رہی تھی۔ مدیحہ کو دیکھ کر ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی اور بس۔

امی کے بے حد اصرار پر اس نے محض دو چمچ آئس کریم اپنے کپ میں نکالی اور مدیحہ کو نظر انداز کرتے ہوئے دانش سے باتیں کرنے لگا' وہ ڈھیٹ بن کر خود ہی وہاں بیٹھ گئی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ وہ ہنوز پوری توجہ سے دانش کے اسکول کا کوئی قصہ سنتا رہا اور جب دانش کا قصہ تمام ہوا تو اٹھ کھڑا ہوا' امی پہلے ہی عشاء کی نماز کے لیے وضو کرنے چلی گئی تھیں۔ امی اور ابا کی موجودگی اور غیر موجودگی دونوں ہی میں انہوں نے کبھی ایک دوسرے سے بات چیت میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی تھی' یہ تیار شتہ تو ابھی قائم ہوا تھا۔ ان لوگوں کا ساتھ تو بے حد پرانا تھا۔ آج پہلی بار یہ سناؤ مدیحہ نے محسوس کیا تھا' جس کی فی الحال کوئی بڑی وجہ سمجھ میں بھی نہیں آ رہی تھی۔

"کہاں تھے اتنے دن سے؟" وہ شکوہ کر ہی بیٹھی۔

"یہیں ہوں اور کہاں جاتا۔"

"مجھے تو آج بہت دن بعد نظر آئے ہو۔" اس کی شکایت برقرار تھی۔ ریحان کے چہرے پر پھیکی سی

مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"آپ کے آس پاس کا منظر تیزی سے بدلتا جارہا ہے مدیحہ بی بی! اسی لیے چھوٹی موٹی چیزیں غائب ہوتی جارہی ہیں۔"

"ہاتیں! اس قدر باتکلف انداز تخاطب" مدیحہ نے ہڑبڑا کر سوچا۔ ریحان کے جملے میں چھپے طنز سے زیادہ اس کی آپ جناب نے چکرا کر رکھ دیا تھا۔

"چلتا ہوں۔" وہ اسے مزید کچھ کہنے سننے کی زحمت سے بچا کر صحن پار کر گیا۔

"اب بھلا ایسا بھی کیا غضب اٹھا دیا ہے ابا نے' جو وہ یوں برا مانے چلا جارہا ہے۔" مدیحہ کو اب ریحان پر غصہ آنے لگا اور ابا "باعزت بری" قرار پائے۔ آخر کو وہ اس کے باپ تھے' اس کا اچھا برا سوچنے کے ذمہ دار۔ ٹھنڈی سانس لے کر وہ ٹرے اٹھانے لگی تو اس نے دیکھا کہ ریحان کے کپ میں آئس کریم چھوئے جانے کے انتظار میں پگھل چکی تھی۔ ایک آدھ دن مزید پریشان رہنے کے بعد وہ حسب عادت نارمل ہو گئی تھی' زیادہ دیر کے لیے کوئی بات بھی پریشان کن محسوس نہیں ہوتی تھی ان دنوں' کیا بھلا وقت تھا۔

ان ہی دنوں ابا نے نیا گھر خرید لیا' مدیحہ کو یہاں سے جانا پسند تو بہت کھلا مگر جب ابا کے ساتھ چار سو گز پر بنے اس شاندار بنگلے کو دیکھ کر واپس آئی تو اس کی خوشی سنبھالی نہیں جارہی تھی۔ بڑے بڑے چار بیڈ روم' ڈرائنگ ڈائننگ ہال کے ساتھ چھوٹا سا لان بھی تھا۔ اتنا شاندار گھر دیکھنے کا پہلے کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا اور ہوتا بھی کیسے' عزیز رشتہ داروں میں کوئی بھی ابا جیسا قسمت کا دھنی نہیں تھا۔ ابا نے کہہ دیا تھا کہ نئے گھر میں وہ انہیں ایک باورچی رکھ دیں گے' مدیحہ کو یہ آئیڈیا بہت زوردار لگا۔ اس نے افسانوں اور ڈراموں میں تو خانساماں کا ذکر امیر گھرانوں کے لیے ضروری دیکھا اور سنا تھا' پر ان کے ماحول میں تو باہر سے پکانے والے خوش قسمتی کے موقعہ پر ہی دیگیں دم دیتے دکھائی دیتے تھے۔

"تو گویا اب ان کا طرز زندگی اونچا بلکہ اور اونچا ہونے چلا ہے۔" بے حد تفاخر سے سوچا گیا۔ امی کے کانوں جب یہ بات پڑی تو انہوں نے اس کی مخالفت میں پل بھر کی بھی دیر نہیں لگائی۔ یہاں سے جانے پر وہ ویسے ہی خوش نہیں تھیں۔ سارے عزیزوں کو چھوڑ شہر کے ایک کنارے پر بسی ہوئی بستی میں انجان لوگوں کے درمیان جا کر رہنے کا خیال ان کے لیے ذرا بھی خوش کن نہیں تھا۔

"میں تو ہرگز بھی کسی غیر مرد کو اپنے باورچی خانہ میں نہیں گھسنے دوں گی' یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ اپنی گھر ہستی دوسروں کے سپرد کر دو۔" وہ باورچی خانہ کو سراسر عورت کی ملکیت تصور کرتی تھیں۔ ابا ان کے ہر اعتراض کو سنتے اور مسکرا کر ٹال جاتے۔ اپنے ضروری کام روک کر وہ گھر کی سیٹنگ میں لگے ہوئے تھے۔ تقریباً سارا ہی سامان نیا خریدا جارہا تھا کہ اس گھر سے لے جانے کے لائق تو ان کے نزدیک کچھ بھی نہیں تھا۔ ابا جتنے خوش تھے امی اتنی ہی ملول رہتیں' مگر ایک بات تھی کہ انہوں نے ابا کی خوشی کے آڑے آنے کی بالکل بھی کوشش نہیں کی تھی۔

جانے سے ایک دن پہلے ریحان کی امی نے ان لوگوں کی دعوت کی تھی' آمنہ خالہ خالو مشرف اور دو چار عزیزوں کو بھی انہوں نے مدعو کیا تھا۔ ابا کو بہت مشکل سے امی نے اپنے ساتھ چلنے پر راضی کیا تھا' ورنہ ان کا ذرا بھی موڈ نہیں تھا۔

"آج سارے کمروں میں قالین ڈلوائے ہیں' گھٹنے بھر سے زیادہ ہرگز نہیں بیٹھوں گا۔" انہوں نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔

مدیحہ بھی ساتھ ہی گئی تھی۔

نچلی منزل کے بڑے کمرے میں سب ہی موجود تھے' سوائے ایک ریحان کے۔ امی کے پوچھنے پر اتنا تو پتا چل گیا تھا کہ وہ گھر پر ہی ہے مگر یہاں سب کے ساتھ وہ بہرحال نہیں تھا۔ مدیحہ کو بے چینی سی ہونے لگی' وہ بار بار اس عجیب سے رویہ کا مظاہرہ کر رہا تھا' بڑوں کی اس محفل میں خود کو ان فٹ محسوس کرتے ہوئے وہ باہر نکل آئی' آج صبح سے ہی آسمان گھنے بادلوں سے ڈھکا

ہوا تھا۔ چھوٹے برآمدے کے اوپر ریحان کا کمرہ تھا' مدیحہ کی نگاہ اس طرف اٹھ گئی۔ کھڑکی ادھ کھلی تھی معلوم نہیں ریحان وہیں تھا یا نہیں۔ مدیحہ کو ایک نامعلوم سے رنج نے آگھیرا۔

"مدیحہ بیٹی! ذرا چھت پر سے کپڑے تو سمیٹ لانا بوندیں پڑنی شروع ہو گئی ہیں۔" ریحان کی امی باورچی خانہ سے پکاریں تو وہ زینہ کی طرف بڑھ گئی۔ چھت پر ہوا تیز تھی۔ اسے کپڑے سمیٹنے میں وقت بھی ہوئی پھر بھی ان سب کو اکٹھا کر کے وہ واپسی کے لیے مڑی' تو بے اختیار دل چاہا کہ ریحان کے کمرے میں جھانک لے' یہاں اس کے کمرے کے علاوہ صرف ایک برساتی اور بنی ہوئی تھی باقی چھت ان دنوں خالی ہوا کرتی تھی۔ کچھ سوچ کر اس نے اپنا ارادہ ترک کیا اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ مانا ان کے میل جول پر کوئی پابندی نہیں تھی مگر اس طرح اکیلے میں چھت پر' مدیحہ کو بے حد معیوب سا محسوس ہوا مگر عین اس وقت جب وہ پہلی سیڑھی پر قدم رکھ رہی تھی' پیچھے سے آتی آواز پر رک گیا۔

"مدیحہ!" ریحان کمرے کے دروازے پر کھڑا تھا اس نے صرف پلٹ کر دیکھا' بولی کچھ نہیں' وہ خود ہی نزدیک چلا آیا۔

"تم ابھی آئی ہو؟"

"برا لگا ہو تو چلی جاؤں۔"

"ارے نہیں!" وہ ہلکے سے ہنسا اور اس ہنسی میں تلخی کا احساس بے حد واضح تھا۔

"بہت اچھا کیا' کم از کم ایک بار اور سہی' تمہیں اس گھر میں دیکھ تو لیا' پھر تو نہ جانے۔" اس نے جان کر جملہ ادھورا چھوڑا تھا یا اس سے اپنی بات پوری نہیں کی جا سکی تھی' بہرحال مدیحہ کو اس کے انداز نخت طنز اور ہراساں کر گئے۔

"کیا ہو گیا ہے ریحان تمہیں؟ کیوں ایسی باتیں کرنے لگے ہو۔" تیز ہوا اس کے بال اور ہاتھوں میں تھامے کپڑے اڑائے جارہی تھی اور اس سے بھی زیادہ تیزی سے اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہو رہا تھا۔

"نیچے سب لوگ آئے ہوئے ہیں اور تم۔"

"مجھ سے تمہارے ابا کی چبھتی ہوئی باتیں اور نظریں دونوں برداشت نہیں ہوتی ہیں۔" ریحان نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"ابا کو کیوں الزام دیتے ہو! اگر وہ تمہیں کچھ کہتے ہیں تو تمہاری بھلائی کے لیے اور بس۔" آنسو اب اس کے گالوں پر پھیلتے جارہے تھے' اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اگر آج اس وقت بھی وہ ریحان کو کنوینس نہیں کر پائی تو اسے یہ موقعہ پھر نہیں مل سکے گا۔

"پھر بھی اگر تمہیں اتنا برا لگ رہا ہے تو میں امی سے کہہ دوں گی۔ وہ ابا کو سمجھا دیں گی۔"

"انہیں سمجھانا کسی کے بس کی بات نہیں ہے وہ اب پہلے جیسے نہیں رہے ہیں' جلد ہی تم بھی اس حقیقت کو سمجھ جاؤ گی" وہ بات کرتے کرتے ذرا سا رکا' مدیحہ بہت بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھی' ریحان نے نظریں چرا لیں۔

"بہتر ہو گا کہ تم بھی خود کو تیار کر لو' جیسے میں کر رہا ہوں۔"

"کیسا تیار"

"یہی کہ اب ہمارے راستے الگ ہو چکے ہیں۔" وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا اور تیز ہواؤں کے شور میں کہی گئی اس کی یہ آخری بات مدیحہ کی ساری زندگی پر محیط ہو گئی۔ اسی دن ریحان کے گھر کی سیڑھیاں اترتے ہوئے اسے یقین ہو چکا تھا کہ وہ ریحان کو ہمیشہ کے لیے کھو چکی ہے۔ حالانکہ ان کی منگنی تو اس بات کے بھی تقریباً ساڑھے پانچ ماہ بعد ٹوٹی تھی۔

نئے گھر آنے کے بعد وہاں امی کی مخالفت کے باوجود کک اور مالی کے ساتھ ڈرائیور کا بھی اضافہ ہوا تھا اور چھوٹی چھوٹی سی تبدیلیاں بڑی تبدیلیوں کا پیش خیمہ بنتی چلی گئیں۔

"بیٹی کو اتنا سر پر مت چڑھاؤ' اسے ہر حال میں گزارا کرنے کی عادت ہونی چاہیے۔" امی سے ایک دن ضبط نہیں ہو سکا تو کہہ ہی بیٹھیں۔ ان کے خیال میں ابا سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مدیحہ کو رئیسانہ

ٹھاٹ باٹ کا عادی کر رہے تھے' کیونکہ اب کئی بار وہ ان کے سامنے اپنی بیٹی کو پرانے شہر کی گلیوں میں واپس بھیجنے کی مخالفت کر چکے تھے۔

"اپنی دقیانوسی سوچ اپنے پاس ہی رکھو' میری بیٹی تو اللہ نے چاہا بہت عروج دیکھے گی۔" وہ چڑ کر بولے تھے۔ امی کو ان کے انداز ڈرانے لگے تو انہوں نے مدیحہ کی جلد رخصتی پر زور دینا شروع کر دیا تھا' ریحان اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ایک "معمولی" سی ہی نوکری حاصل کر پایا تھا' وہ بھی فی الحال عارضی' اگلے سال اس کا مقابلے کے امتحان میں بیٹھنے کا ارادہ تھا۔ امی نے انہیں ریحان کے بہتر مستقبل کے سنہرے خواب دکھانے کی کوشش کی تو وہ لاپروائی سے بولے۔

"اجی سینکڑوں بیٹھتے ہیں مقابلے کے امتحان میں اور نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ ان میں سے گنے چنے سلیکٹ ہو پاتے ہیں' ریحان کے کیا ماتھے پر لکھا ہے کہ وہ ضرور ہی کامیاب ہو جائے گا۔" یہاں ابا کی دور اندیشی کو ماننا پڑا تھا' وقت نے ان کے اندیشے کو صحیح ثابت کیا تھا' آگے چل کر بھی اس کے حالات میں بس انیس بیس کا ہی سدھار پیدا ہو پایا تھا۔ مگر خیر!

یہ تو اس سے پہلے ہی کی بات ہے۔

امی ابا کی یہ سرد جنگ وہ صبر سے دیکھ رہی تھی' اس کی حیثیت محض ایک خاموش تماشائی کی سی تھی' امی کے لئے خاندان برادری سے کٹ کر رہ جانے کا خوف اور ابا کے لیے اعلیٰ سوسائٹی میں موو کرنے کی تمنا سب سے اہم تھی۔ اپنی زندگی جینے کے لیے اس کی بھی کوئی آرزو ہے؟ یہ سوچنے کی ضرورت ہرگز بھی نہیں سمجھی گئی تھی اور یہاں زیادہ تر ایسا ہی ہوتا ہے امی نے یہ جنگ اتنی شدومد سے لڑی کہ ایک موقعہ پر تو مدیحہ کو امید بندھ چلی کہ شاید اس کے سارے خدشہ ہوا میں تحلیل ہو جائیں گے اور سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا۔ صاف شفاف اور نکھرا ہوا۔

ابا نے چند شرائط کے ساتھ اس رشتہ کی منظوری کا اشارہ دے دیا تھا اور فی الحال اتنا ہی کافی تھا' اور اب تو وہ برملا مدیحہ اور ریحان کے رشتہ کو "اپنی ہی سطح

وقتی۔" گردانتے تھے۔

اس روز ریحان پہلی بار اپنے والدین کے ساتھ ان کے نئے گھر میں آیا تھا' ابا نے اسے ساتھ لانے کی سختی سے ہدایت کی تھی' وہ ہر بات اس کے سامنے کرنا چاہتے تھے۔ امی نے چائے کے ساتھ خاصا اہتمام کیا تھا اور کھانے کی بھی ہدایات جاری کر دی تھیں' ان کی پوری کوشش تھی کہ آج کے ماحول کو اتنا خوشگوار رکھا جائے کہ کچھ بات بن کر ہی محفل برخاست ہو۔ مدیحہ بہت دن بعد اس روز دل لگا کر تیار ہوئی تھی مگر بے سود' سلام کرنے کے بہانے وہ جتنی دیر بھی ڈرائنگ روم میں موجود رہی' ریحان نے ایک نگاہ ڈالنے کے بعد اس کی جانب دوسری بار دیکھا تک نہیں' بس سر جھکائے کارپٹ کے ڈیزائن میں ہی کچھ تلاشتا رہا۔ امی کے آنکھ کے اشارے پر وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ چائے وغیرہ سرو کرنے کی ہدایت کر کے وہ اپنے کمرے میں چلی تو آئی مگر ایک تجسس سا بر قرار رہا۔

"پتا تو چلے آخر کیا بتا۔" یہ پریشانی کافی دیر رہی۔ کوئی چھوٹی بہن یا دوست بھی آس پاس نہیں تھی جو اس سوال کا جواب لاوتی سو خود ہی ڈرائنگ روم سے ملحقہ کوریڈور میں آ کر کھڑا ہونا پڑا۔ مسئلہ چھڑ چکا تھا اور لگ رہا تھا کہ اس پر خاصی بحث و تمحیص ہو چکی ہے۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا آخر تمہیں اعتراض کس بات پر ہے؟" ابا کی بلند آواز کوریڈور میں کھلنے والی کھڑکی سے صاف سنائی دے رہی تھی۔

"اگر میں تمہیں کاروبار میں پارٹنر شپ دینا چاہ رہا ہوں اور مدیحہ کے لیے رہائش کا انتظام اپنے گھر کے نزدیک کرنا چاہتا ہوں تو اس میں برائی کی کیا بات ہے۔"

"برائی یہ ہے پھوپھا کہ آپ کی یہ بے حد اچھی پیشکش مجھے سوٹ نہیں کرتی' میں کبھی اپنی محنت سے اپنے لیے کوئی دوسرا مکان بنا سکا تو اپنا گھر چھوڑنے پر غور کروں گا ورنہ مجھے وہی چھت عزیز تر ہے۔" ریحان کے لہجہ کی سختی مدیحہ کو ڈرانے لگی۔ آثار ذرا بھی اچھے نہیں تھے۔

"اور آپ کی پہلی پیشکش کا میں جواب پہلے ہی دے چکا ہوں۔"

"پھر بن چکا ان چند ہزار روپوں میں بنگلہ' میاں ایک جھونپڑا بھی کھڑا کرلو تو شکر ادا کرنا' شادی کے بعد آنے والا کا بھاؤ پتا چل جاتا ہے۔" فرط جذبات میں وہ ایک اہم چیز بھول رہے تھے جو اگر شامل حال رہے تو چند ہزار تو بڑی بات چند سو میں بھی زندگی بھر کے مسائل آرام سے سلجھتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی عطا کی گئی برکت

"ابھی اس بات کو جانے دیں بھائی صاحب! میں اسے سمجھالوں گا۔" ریحان کے ابا نے مصالحت کی جانب پہلا قدم اٹھایا مگر ریحان نے ان کی کوشش کامیاب نہیں ہونے دی۔

"نہیں ابو! بس اب جو بھی بات ہے' آج صاف ہوجانے دیں' اس کش مکش سے میں بھی تنگ آچکا ہوں' میں سسرال کے کندھوں پر کھڑا ہو کر قد اونچا کرنے والوں میں سے نہیں ہوں' اگر میری موجودہ حیثیت میں مجھ سے رشتہ جوڑنے میں احمد صاحب کو شرم محسوس ہوتی ہے تو یہ جو چاہیں فیصلہ کریں۔"

"پھر ٹھیک ہے میاں!" ابا نے برجستہ جواب دیا۔ "آج سے اس قصہ کو ختم ہی سمجھو' اور میرا مشورہ مانو تو کوئی اپنے ماحول کی لڑکی ہی ڈھونڈ کر شادی کرڈالو۔ کامیاب رہو گے۔"

دونوں والدائیں محترمہ "ہیں' ہیں" ہی کرتی رہ گئیں اور سارا کھیل یکلخت ہی ختم ہوگیا۔

چکراتے ذہن کے ساتھ جب مدیحہ اپنے کمرے کی طرف پلٹ رہی تھی تو اندر مدیحہ کے ابا پر نگاہیں جماتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"صحیح کہا ہے آپ نے اب یقیناً ایسی ہی ڈھونڈوں گا۔"

مدیحہ نے دنوں اس غم کو منایا تھا۔ وہ بالکل خاموش ہوکر رہ گئی تھی ابا نے اس کی یہ کیفیت محسوس تو کی مگر مصلحتاً انجان ہی رہے۔ وہ کسی اور انتظام کی فکر میں تھے۔ ادھر ریحان نے اپنا کہا اس طرح پورا کر دکھایا کہ صرف دو ماہ کے اندر ہی اس کی شادی کا کارڈ آمنہ خالہ کے توسط سے آپہنچا ان کے گھر سے کسی نے شرکت ضروری نہیں سمجھی ہاں بعد میں چند دور پرے کی کزنز سے مدیحہ کو اتنا ضرور معلوم ہوا کہ ریحان بھائی شادی والے روز بہت خاموش خاموش تھے نیز یہ کہ اتنا "اداس" دولہا پہلے کبھی دیکھنے کا کسی کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

مدیحہ نے سب کچھ خاموشی سے سنا اور رابطہ کرنے کے لیے رہ بھی کیا گیا صبر انسان کی بہت بڑی طاقت بن جاتا ہے اس کی ساتھ بھی یہی طاقت بعد میں زندگی بھر رہی۔

☼ ☼ ☼

جلد ہی احمد سے شادی ہن کے ساتھ آسٹریلیا منتقلی اور پھر ابی ابا اور دانش کا بھی وہیں آجانا' سب کچھ بہت سہولت کے ساتھ ہوتا چلا گیا۔ زندگی اتنی مکمل تھی کہ پچھلی کسی حماقت کے بارے میں سوچنے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ مگر پھر بھی اپنی بے پناہ مصروفیت میں گھری مدیحہ جلال کو دن کی کوئی ایک ساعت یا رات کے پچھلے پہر کا کوئی لمحہ اپنا بری طرح چونکا دیتا تھا۔ بہت پیچھے رہ جانے والوں کو محض ایک نظر دیکھنے کی تمنا کو بھی انہوں نے برسوں تھپک تھپک کر سلایا تھا' اور اب آئی تھیں جب عمر اس اسٹیج پر لے آئی تھی کہ صرف اور صرف ایک کسک باقی رہ گئی تھی اور بس نہ کچھ پانے کی آرزو نہ دینے کا خیال۔

کوئی دروازہ کھول کر اندر آیا تو وہ چونک گئیں' نائلہ اندر آئی تھی' کچھ جھجکتی — ہوئی سی۔

"آجاؤ بیٹا! آخر سب لوگ کہاں ہیں' یا میں بھی وہیں چلی چلوں —" مدیحہ کھڑکی سے ہٹ آئیں۔

"دادی آرہی ہیں' آپ آرام سے بیٹھیں۔" اس بے چاری کی تمام کوششوں کے باوجود گھر کی حالت زیادہ دیر درست نہیں رہ پاتی تھی' اس لیے مدیحہ کو اسی کمرے تک محدود رکھا جارہا تھا۔

نائلہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھی' مدیحہ نے

پہلی بار اسے ذرا غور سے دیکھا' ایک نظر میں ہی وہ بہت معصوم اور سادہ سی نظر آئی تھی۔ انہیں اس کی خوش قسمتی پر رشک سا آرہا تھا۔ اسے ریحان جیسے مضبوط کردار کے مالک کی ہو بننا تھا جس کا بیٹا بھی یقیناً اس سے ملتی جلتی طبیعت کا مالک ہوگا۔

"پڑھ رہی ہو؟ کون سی کلاس ہے؟" مدیحہ کو اس میں دلچسپی سی ہوئی۔

"جی" اس نے سر اوپر اٹھایا' وہ خاصی جھینپو قسم کی لڑکی معلوم ہوئی تھی۔

"میں بی۔اے کی تیاری کررہی ہوں پرائیویٹ۔"

"کیوں۔ پرائیویٹ کیوں اتنا برا گرلز کالج ہے قریب ہی' وہاں داخلہ کیوں نہیں لیا؟"

"ابا نہیں مانتے۔" اس کے لہجے میں ندامت تھی گویا ابا کے نہ ماننے میں سارا قصور اسی کا ہے۔

وہ تو میٹرک سے آگے پڑھانا بھی نہیں چاہتے تھے مگر ریحان چچا ضد کرکے پڑھوا رہے ہیں' بلکہ سارے خاندان کی لڑکیوں کو وہی سپورٹ کررہے ہیں۔" مدیحہ کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔

"ہوں! تو گویا کوئی نہ کوئی محاذ تم نے زندگی بھر کھولے ہی رکھا۔" مدیحہ خود کالج میں داخلہ لینے والی خاندان کی پہلی لڑکی تھیں' اور انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ اس وقت ابا کی مثبت سوچ پر خاندان کی طرف سے کتنے اعتراض اٹھتے تھے' جب بھی صرف ریحان ہی تھا دولہا کی تائید میں پیش پیش رہتا تھا۔

نائلہ خاصی حساس لڑکی تھی' دو چار باتوں ہی سے مدیحہ کو اندازہ ہوچلا تھا۔

"اگر پڑھنے کا کھلا موقعہ ملے تو آپ یقین کریں کہ ہمارے گھر کی لڑکیاں اتنی ذہین ہیں کہ کہیں سے کہیں پہنچیں گی —" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تمہیں تو ریحان کی ہو بننا ہے' جتنا پڑھنا چاہو' پڑھ لینا' تمہیں کون روکے گا۔" انہوں نے نائلہ کی دلجوئی کے لیے کہا' تو وہ شرما گئی۔ مدیحہ شاید کچھ اور کہتیں مگر اسی وقت بھابھی افروز کمرے میں آگئیں' وہ کھانے کے لیے بلانے آئی تھیں' مدیحہ اٹھ کھڑی ہوئیں' وہ ذرا گھر کو اچھی طرح دیکھنا چاہتی تھیں مگر گھر اب ویسا نہیں رہا تھا جیسا کہ ان کی یادوں میں بسا ہوا تھا' مختلف کمروں کو ملا کر نئے کمرے تشکیل دینے کے چکر میں گھر کی صورت بڑی حد تک بدل چکی تھی۔

انہیں مایوسی سی ہوئی مگر بولیں کچھ نہیں' زندگی کے پچھلے دور میں جہاں جیتے جاگتے انسانی رشتے بدل گئے تھے وہاں یہ بھی سہی۔

دسترخوان پر بیٹھنے کی سعادت محض سیکنڈ لوگوں کے حصے میں آئی تھی۔ ساری بچہ پارٹی کو ڈسٹربنس کے خیال سے بڑی لڑکیوں کی نگرانی میں الگ سے کھانا کھلوایا جارہا تھا' یہاں صرف "بڑے" موجود تھے۔

دسترخوان پر چھائی خاموشی معنی خیز تھی۔

ہر ایک اندیشوں میں گم' یہاں تک کہ آمنہ خالہ بھی' دور افتادہ بھانجی کے آنے کی خوشی ساری کی ساری غارت ہوچکی تھی' بیٹوں نے برین واشنگ ہی ایسی کی تھی کہ انہیں کافی حد تک یقین ہوچلا تھا کہ مدیحہ ان سب کو "سرک" پر بٹھانے کے لیے آئی ہے۔

بات شروع کرنے کی ذمہ داری اشرف کو سونپی گئی تھی' سو اب سب منتظر تھے مگر اس سے بات شروع ہی نہیں کی جارہی تھی۔ اظہر نے دو چار بار آنکھوں آنکھوں میں اشارہ بھی کیا مگر وہ اشرف تک پہنچنے کے بجائے مدیحہ کی پکڑ میں آگیا' اس بے چارے کو شرمندہ ہونا پڑ گیا۔

"ہاں تو بھئی مدیحہ!" اشرف بھائی نے ہمت کر ہی لی۔ "اپنا گھر کیسا لگا تمہیں؟" مدیحہ نے جواباً مسکرا کر دیکھا ہی تھا کہ لیلیٰ کے فون آنے کی خبر نے توجہ اپنی جانب کروالی۔ وہ فون سننے اٹھ گئیں۔ اشرف بھائی پر اعتراض شروع ہوگئے۔

"کمال ہے بھائی جی! اتنی دیر میں آپ سے بات بھی شروع نہ ہوسکی۔"

"بھلا" اپنا" گھر کا کہنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"دیکھیے تو بہت بول رہے تھے۔"

"ایسا کریں اماں آپ خود —" انہیں جان چھڑانی مشکل ہوگئی۔

ایک کے بعد دوسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے وہ بوکھلائے جارہے تھے' یہاں تک کہ اسی شوروغل میں مدیحہ واپس بھی آگئیں۔ ان کے کمرے میں قدم رکھتے ہی ایک دم خاموشی چھاگئی۔

لیلیٰ نے ان کی خیریت دریافت کرنے کے لیے فون کیا تھا اور آج شام تک واپسی کی سختی سے تاکید کی تھی وہ آمنہ خالہ اور دیگر کو بتاتی ہوئی واپس بیٹھ گئیں۔

"ہاں! تو اشرف بھائی! آپ کیا پوچھ رہے تھے کہ مجھے میرا گھر کیسا لگا" مدیحہ نے بات کا سرا وہیں سے جوڑا۔ اشرف بھائی جز بز سے ان کی جانب دیکھنے لگے۔ وہ مستقل مسکرا رہی تھیں' اشرف بھائی نے دل ہی دل میں تیزی سے اپنی جمع تفریق کو پھر سے دہرایا۔

"ضرور وہ ایک ایک خرچا مدیحہ کو گنوادیں گے۔" انہوں نے پکا ارادہ کیا اور ذرا بے رخی کا سا اسٹائل چہرے پر لانے میں کامیاب ہوگئے۔

"مگر یہ گھر میرا کب ہے! کبھی تھا ضرور مگر اب تو یہ آپ لوگوں کا ہے صرف اور صرف۔" ان کی مسکراہٹ دھیمی پڑ چکی تھی اور وہ بہت سنجیدہ تھیں۔

"اشرف بھائی! آپ پلیز جو بھی کاغذات ضروری سمجھیں' بنوالیں' ابھی میں چند ہفتہ مزید پاکستان میں ہوں' آپ اس کام کو پورا کروالیں' امی کی خواہش بھی تھی اور وصیت بھی کہ یہ گھر اب آپ لوگوں کی ہی ملکیت رہے۔" انہوں نے اپنی بات ختم کرکے ان سب کو دیکھا جو دم سادھے اس خوبصورت سرپرائز کو وصول کررہے تھے اور خود کو انتہائی درجہ کا احمق تصور کررہے تھے۔

"ارے نہیں بھئی! یہ کیا بات ہوئی۔" اشرف بھائی نے جو بری طرح کھسیا رہے تھے' جملہ حاضرین سمیت خود کو بھی مورل سپورٹ دینا چاہی۔

"ہاں! ہاں بالکل! اگر اتنے عرصے سے رہ رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ۔۔۔۔"

"اب اس قدر بڑا احسان تو نہیں لے سکتے۔" بھابھی افروز نے اظہر کی بات کاٹی' مدیحہ کا ارادہ سن کر جان میں جان آئی تو وہ "معتبر" بننے کے چکر میں کچھ اوور ہوگئیں۔

"قیمت لگوالو گھر کی۔ جو بنے گی' وہ ہم ادا کردیں گے۔" ان کی یہ بات اس قدر بے تکی محسوس ہوئی کہ اشرف بھائی کا دل چاہا' اس بے وقوف عورت کو دھکا مار کر کمرے سے باہر نکال دیں۔ "جب وہ ایسے ہی سب کچھ دینے پر تیار ہے تو پھر خوامخواہ ہی" وہ تو بھلا ہو مدیحہ کا جنہوں نے بھابھی افروز کی تجویز کو فوری طور پر رد کرکے اشرف بھائی کا بی پی ہائی ہونے سے بچالیا۔

مدیحہ نے گھڑی پر نگاہ ڈالی' ابھی ان کے پاس چند گھنٹے باقی تھے' اور وہ کچھ دیر کے لیے ہی سہی ریحان سے ملے بغیر واپس نہ جانا چاہتی تھیں۔ وہ نہ معلوم اب تک کیوں نہیں آیا تھا؟ اسد کے بیان کے مطابق تو اسے اب تک آجانا چاہیے تھا۔ "خالہ! تھوڑی دیر کے لیے ریحان کی طرف نہ ہولیں۔" آمنہ خالہ سے یہ چھوٹی سی بات کہتے ہوئے وہ جھجک سی گئیں۔

"ہاں! ہاں کیوں نہیں چلو! بلکہ اور گلی میں جو بھی رشتہ دار ہیں' ان سے بھی ملوالاؤں۔" آمنہ خالہ تو جیسے تیار ہی بیٹھی تھیں' گھر کا کھٹکا ختم ہوا تھا تو وہ دوبارہ پر جوش ہوگئی تھیں' بقیہ سب نے بھی پرزور تائید کی' بلکہ اشرف بھائی اور اظہر تو اب مل کر پروگرام بنارہے تھے کہ کیوں نہ اگلے جمعہ کو مدیحہ کے اعزاز میں ایک زبردست دعوت رکھ لی جائے جس میں سب رشتہ داروں کو مدعو کرلیا جائے۔ مدیحہ "دو منٹ" کا کہہ کر فریش ہونے کے لیے چلی گئیں اور جب واپس آئیں تو بے حد نکھری ہوئی تھیں۔

"چلو!" آمنہ خالہ صحن میں تیار کھڑی تھیں۔

مدیحہ نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ صحن میں کھلنے والا باہر کا دروازہ تیزی سے کھلا' اندر آنے والا یقیناً عجلت میں تھا' اور اس کی عجلت کے پیچھے برسوں کا ٹھہراؤ تھا۔

"لو یہ تو ریحان خود ہی آگئے" آمنہ خالہ نے اعلان کیا۔ "ہم تو تمہارے گھر ہی آرہے تھے۔"

"بس میں ابھی آیا تو اسد نے مدیحہ کا بتایا۔" ان کے لہجے میں چھپی ہچکچاہٹ کو بھی صرف مدیحہ نے ہی محسوس کیا' کسی اور کے لیے اس میں کوئی غیر معمولی

نہیں تھی' ریحان کو اپنی جانب دیکھتا پاکر وہ ہلکے سے مسکرادیں۔ زندگی کو اچھا خاصا برت چکی تھیں' اس لیے اپنے اندر کی کیفیت چھپالینے کے طریقے بھی سیکھ گئے تھے۔

"چلو! پھر وہیں چلتے ہیں۔" وہ مڑنے لگے۔ سب لوگوں نے کہا بھی کہ اب آئے ہیں تو تھوڑی دیر بیٹھ جائیں مگر وہ نہ مانے' خود مدیحہ کا بھی دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس عورت کو دیکھیں' جس کی خوش قسمتی پر انہوں نے ہمیشہ رشک کیا ہے' ریحان احمد کے پیچھے گھر کی دہلیز کو پار کرتی مدیحہ کو دیکھ کر اشرف بھائی کو ایک بھولی بسری یاد نے آگھیرا۔ مدیحہ جلال کے ساتھ ریحان احمد انہیں بالکل "یونہی" سے محسوس ہوئے۔

"کچھ بھی ہو! خالو احمد بھی اپنے وقت کے ذہین اور دور اندیش آدمی تھے۔" انہوں نے سر جھٹک کر مرحوم خالو کو خراج تحسین پیش کیا۔

☆ ☆ ☆

مدیحہ نے ایک گہری سانس لی۔ "تو واجبی سی صورت والی یہ بھاری بھرکم عورت' جو ابھی ابھی یہاں سے اٹھ کر گئی ہے ریحان احمد کی زندگی کی حصہ دار ٹھہری۔" ریحان کی بیوی صنوبر چائے کا اہتمام کرنے کے لیے باہر گئی تو بیٹیوں کو بھی اشارے سے ساتھ لے گئی۔ کمرے میں ایک دم سناٹا چھاگیا۔

ریحان کی بیوی چلا چلا کر بولنے کی عادی تھی' اور بیٹیاں اسی کا پرتو تھیں۔ گھر کی چاروں خواتین کو محض اپنی سنانے کا شوق تھا' دوسرے کے پاس بھی کہنے کے لیے کچھ ہے؟ اس میں انہیں ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ ان کے مقابلے میں آمنہ خالہ کے گھر کا ماحول بہتر معلوم ہورہا تھا۔ اس آدھ پون گھنٹے میں ہی مدیحہ کا سر دکھنے لگا تھا۔ کمرے میں ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا اور یہ اتفاق کتنی مدت گزرنے کے بعد ہوا تھا۔

"کیسی ہو مدیحہ؟"

"اچھی ہوں!" انہوں نے دل میں ابھرتے ہوئے سارے شکووں سے نظریں چرالیں۔

"وہ تو خیر نظر آرہی ہو۔" ریحان احمد غالباً" ہلکے سے ہنسے۔ مدیحہ اب ان کی جانب نہیں دیکھ رہی تھیں۔

"پھر پوچھ کیوں رہے ہو؟"

"بس! تمہارے منہ سے سننا چاہ رہا تھا۔" وہ خاموش رہیں۔ عجیب بات تھی کہ کہاں تو ان کی اصول پسندی' بلند ہوصلگی اور خودداری کی بنا پر انہوں نے انہیں ہمیشہ عام انسانوں سے اگلی صف میں کھڑا جانا تھا' اور کہاں آج ان کے گھر میں بیوی بچوں کے درمیان دیکھ کر صرف اور صرف چند گلے کرنے کو دل چاہ رہا تھا' ان کی ساری خوبیوں پر دو حرف بھیج کر۔

"تم کیسے رہے؟" اندر سے اٹھتے سوالوں میں سے ایک تو وہ پوچھ ہی بیٹھیں۔

"سچ کہوں!" وہ ذرا توقف کرگئے۔

مدیحہ نے ان کے چہرے کو دیکھا' سر کے آدھے سے زیادہ بال سفید کیے' آنکھوں پر عینک کے اضافہ کے ساتھ' وہ کافی بدلے بدلے سے لگتے تھے۔

"اچھا تو خیر بالکل نہیں رہا کہ جو نقصان ہوا تھا اس کی پھر کبھی تلافی ہو ہی نہ سکی' ویسے زندگی گزر ہی گئی' خوشی کے احساس کے ساتھ نہ سہی' خسارے کے احساس کے ساتھ سہی!" مدیحہ نے سوچا اب وہ ایسی باتیں کیوں کررہے ہیں' جب سوچنے کا وقت تھا تو وہ ایک پل بھی غور کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ شادی میں پہل کرکے جلد بازی تو ان ہی کی طرف سے کی گئی تھی۔ وہ انہیں یہ سب جتانا چاہتی تھیں مگر بولیں تو صرف یہ کہ۔

"تمہارا بیٹا بہت اچھا ہے تم میں بہت شباہت ہے اس کی۔" ریحان مسکرادیے۔ اسی وقت ان کی بیوی دروازے میں آکھڑی ہوئی مدیحہ نے دیکھا کہ وہ ریحان کو کسی بات کے لیے اشارہ کررہی ہے مگر وہ سمجھ نہیں سکیں اور ریحان بھی شاید نظرانداز کررہے تھے۔

"تمہاری بیٹی بھی بہت پیاری ہے بالکل تمہاری کاپی۔" وہ دانستہ یا دانستہ اس کی تعریف کرگئے تھے۔

"ہاں اگر عادت میں وہ بالکل مختلف ہے بہت بولڈ اور ذہین ہے ماشاءاللہ۔" کسی بھی عام سی ماں کی طرح انہیں بھی اپنے بچوں کی تعریف کرنا اچھا لگتا تھا۔

ریحان کی بیوی لڑکیوں کے ساتھ مختلف سائز کی ٹرے تھامے دوبارہ اندر آچکی تھی اور اب اصرار کر کر کے مدیحہ کو وہ سب کھلانے کی کوشش میں تھی۔ جس کا اس نے اہتمام کیا تھا۔ آمنہ خالہ کو دوپہر کو سونے کی عادت تھی' وہ یہاں آنے کے بعد بھی برآمدے میں بچھے پلنگ پر لیٹ کر اونگھ چکی تھیں۔

"یہ وہی بڑے تو لو' بہت مشہور ہیں یہاں کے۔" صنوبر نے مدیحہ کی پلیٹ کو مزید بھرنے کی کوشش کی اور ان کی "نہیں نہیں۔" پر ذرا کان نہیں دھرا۔

انہوں نے پلیٹ پر بے بسی سے ایک نگاہ ڈالی' کھانا' کھانا اور بس کھانا! جتنے دن بھی وہ پاکستان میں رہتی تھیں' اپنی تمام کوشش کے باوجود بھی اپنے وزن کو بڑھنے سے نہیں روک پاتی تھیں۔ محبت کے اظہار کی مروجہ طریقوں میں سے ایک یہ "اصرار" بھی ہے۔

اسد بھی آبیٹھا تھا اور مدیحہ نے صاف محسوس کیا تھا کہ وہ بار بار ماں باپ کی جانب امید بھری نگاہوں سے دیکھنے لگتا تھا۔ کوئی بات تھی جو شاید کہی نہیں جارہی تھی مگر انہوں نے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔

"ان سے تو بات ہوگی نہیں' اس لیے مدیحہ بہن! مجھے ہی کہنا پڑے گا۔" ریحان کی بیوی زیادہ دیر اپنی بے چینی پر قابو نہیں رکھ سکی۔

"آپ جب آپ خود چل کر ہمارے گھر آئی ہیں تو قسمت آزمانے میں کیا ہرج ہے مگر انہیں تو ہماری بھلائی میں زبان ہلانے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔" بات واضح نہیں تھی مگر اس گھر میں ریحان کی حیثیت واضح ہو رہی تھی۔

"آپ کی تھوڑی سی مہربانی ہمارے سارے دکھ دور کر سکتی ہے' ساری زندگی ترس ترس کر گزری' شوہر سے تو کوئی سکھ نصیب میں نہیں تھا۔ اب اولاد کو ہی خوشحال دیکھ لیں۔" مدیحہ کی سوالیہ نگاہوں کو خود پر مرکوز دیکھ کر ریحان کی بیوی نے بات آگے بڑھائی۔

"وہ جسے زندگی نے ایک بے حد کھرے شخص کا ساتھ دیا تھا' اس عورت کے پاس بھی اپنا رونا رونے کے لیے بہت کچھ تھا۔" مدیحہ نے حیرت سے سوچا۔

"کیا بے کار کی باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو میں نے منع بھی کیا تھا مگر۔"

"ارے کیا اگر مگر۔" صنوبر نے ریحان کے کمزور سے احتجاج کو آسانی سے بے اثر کیا اور اس کی مدد کے لیے یقیناً اس کے بچے بھی تھے۔

"اور کیا ابا! امی کو بات تو کرنے دیں۔" یہ اسد تھا' جس کا انداز ناگواری لیے ہوئے تھا اور اس کی تینوں بہنوں کا انداز بھی مختلف نہیں تھا۔

مدیحہ کو دکھ سا ہوا۔

"دیکھو بہن! بات کوئی لمبی چوڑی نہیں اور اگر تمہاری مدد ہمیں مل جائے تو ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔"

"آپ کہیں تو سہی' مجھ سے جو بھی بن پڑا۔" مدیحہ کو کہنا ہی پڑا' صنوبر کی ٹائپ کچھ کچھ سمجھ میں آتی جارہی تھی اور ان کا خیال تھا کہ وہ شاید ان سے کسی مالی مدد کی خواہاں ہوگی۔

"بس یہی کہ میرے اسد کو کسی طرح وہیں آسٹریلیا پہنچوا دو' تمہاری بہت مہربانی ہوگی' بہت احسان ہوگا۔" ریحان کی بیوی کا لہجہ بتدریج خوشامدانہ ہوتا جارہا تھا۔

"وہاں تو سنا ہے پاکستانی گھرانے اپنی لڑکیوں کی شادی کے لیے یہاں سے ہی لڑکے لے کر جاتے ہیں۔ تم بھی کہیں اسد کا معاملہ "فٹ" کرادو' مدیحہ کو انتہائی سنجیدگی سے یہ سب سنتے ہوئے بھی "فٹ" کرانا مزہ دے گیا۔

"اچھے لڑکے تو باہر والوں کو ملتے بھی نہیں ہیں' سنا ہے بالکل معمولی پڑھے لکھے لڑکوں سے اچھی اچھی لڑکیاں بیاہ دیتے ہیں' اپنا اسد تو۔"

انہوں نے نہ جانے کہاں سے اتنا کچھ سن رکھا تھا اور ستم یہ کہ خاصا غلط سلط سنا ہوا تھا۔ مدیحہ نے ان کی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔

"ایسی بات نہیں ہے صنوبر! اچھے گھرانے چاہے

یہاں ہوں یا وہاں اپنے بچوں کی شادی کرتے وقت بہت سی باتیں دیکھتے ہیں' زیادہ تر لوگ تو دھوکا دہی کے خوف سے خاندانوں میں ہی۔۔۔!" اور اس کے ساتھ ہی انہیں نائلہ یاد آگئی جسے ریحان کی بیوی بھول رہی تھی۔

"ارے بی بی! وہ تو وہی بات ہے کہ مجبوری کا نام صبر' اب اگر کوئی اور نہیں ملے گی تو وہ تو ہے ہی" ان کے یاد دلانے پر وہ بے نیازی سے بولی۔

"عقل مندی تو اسی میں ہے کہ انسان اپنا فائدہ دیکھے' کیسی رشتہ داری اور کیسا لحاظ مروت اس چکر میں رہے تو کنوئیں کے مینڈک بنے یہیں پڑے رہیں گے۔"

وہ مزید بھی کچھ کہے جارہی تھی لیکن مدیحہ شاید اب سننا ہی نہیں چاہ رہی تھیں۔ انہیں صنوبر کی بات سے صدمہ پہنچا تھا۔ حالانکہ جو بھی اس نے کہا' وہ ذرا بھی حیرت انگیز نہیں تھا۔ وطن سے دوری کے باوجود بھی وہ اپنے معاشرے کی بدلتی اقدار سے اچھی طرح آگاہ تھیں مگر انہوں نے اصول اور خودداری کو نوعمری میں ہی مجسم ہوتے دیکھ لیا تھا' اور پھر باقی ساری زندگی خود کو اس کے سحر سے آزاد کرنے کی کوشش میں ہی گزر گئی۔

انہوں نے بے چینی سے ریحان کی جانب دیکھا' وہ انہی کی طرف متوجہ تھے۔ ایک طویل عرصے بعد بھی وہ ان آنکھوں میں لکھی تحریر کو پڑھنے میں غلطی نہ کر سکیں جو کچھ وہاں پر رقم تھا' اس کی آرزو تو مدیحہ نے اس وقت بھی نہیں کی تھی جب ان کی اپنی زندگی داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ مدیحہ جلال پر ایک اداسی بھری تھکن چھانے لگی۔

"شکست بھی کس موڑ پر آکر تمہارا مقدر بنی ریحان احمد! اور بخدا میں نے ایسا کبھی بھی نہیں چاہا تھا۔" دل نے بہت دھیرے سے کہا۔

باہر کچھ آہٹ ہوئی تو صنوبر کی چلتی زبان کو بریک لگا' اندر آنے والی بھابھی افروز تھیں' جو یقیناً صنوبر کے ارادوں پر مبنی لمبی چوڑی تقریر میں سے کچھ نہ کچھ سن چکی تھیں' ان کا اڑتا رنگ گواہی دے رہا تھا۔

مدیحہ کو شرمساری سی ہونے لگی۔

بھلا وہ یہاں آئی کیوں تھیں ان سب کی لگی بندھی زندگیوں میں اضطراب پیدا کرنے' بھابھی افروز نور دیباں کی آمد کی اطلاع لائی تھیں۔ مدیحہ نے اٹھنے میں پل بھی نہیں لگایا۔ ابھی یہاں سب انہیں مزید روکنا چاہتے تھے۔ مگر اب انہیں جلدی تھی۔

آمنہ خالہ بھی اٹھ بیٹھی تھیں اور اب یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھیں کہ وہ کچھ دیر سوئی بھی ہیں۔

"بس ذرا یونہی آنکھ بند کر کے لیٹی ہوگی تھی۔" ان کے اس بیان پر سب سے زیادہ غصہ ان کی بہو کو آرہا

رضیہ جمیل کے شاہکار افسانے

بدر یا برس گئی اس پار

شائع ہوگیا ہے

خوبصورت گیٹ اپ

بہنوں کے لئے خوبصورت تحفہ

قیمت : 150/ روپے

اس کے علاوہ "2" مکمل ناولوں کے نئے ایڈیشن شائع ہوگئے ہیں

اک گھروندہ برف کا : 300/ روپے

ساگر دریا بادل بوند : 300/ روپے

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37- اردو بازار کراچی